اکتوبر 2022
خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
WWW.PKLIBRARY.COM
Naeyufaq.com
www.pklibrary.com
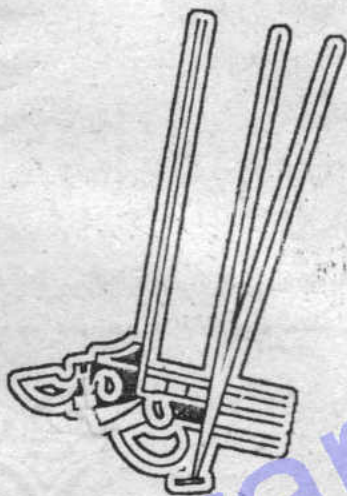
ابتدائیہ

دانش کدہ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: مکان نمبر B-1 مدینہ اسٹریٹ بالمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد کراچی 74700

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی، 74200
03008264242 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل: Info@naeyufaq.com

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اکتوبر 2022ء کا آنچل آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اگر اس ماہ بھی پرچا تاخیر سے وصول ہو تو درگزر کردیجیے گا کیوں کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ آج کل پورے ملک میں بارشوں اور سیلابوں کے باعث آمد ورفت کے تقریباً تمام ہی ذرائع متاثر ہیں خاص طور پر ریلوے کا نظام تو تاحال مکمل طور پر بحال نہیں ہوسکا اور اسی وجہ سے پرچا کو آپ تک پہنچانے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس سلسلے میں ریل کے علاوہ آمد ورفت کے دیگر ذرائع کو بروئے کار لایا جارہا ہے تاکہ قارئین انتظار کی زحمت سے بچ پائیں۔ دوسری جانب ریلوے کا ابھی تک نظام متاثر ہونے کے باعث اشیائے خورونوش کی ترسیل میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے بارشوں اور سیلاب سے متاثر افراد اس بے وقت کی مہنگائی کا بھی سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔ ہزاروں متاثرین سیلاب اپنی دوبارہ آبادکاری کے لیے حکومتی امداد کے منتظر ہیں۔ فلاحی ادارے، مختلف تنظیمیں اور سیاسی جماعتیں اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے متاثرین کو امدادی سامان پہنچانے میں دن رات کوشاں ہیں اس سلسلے میں خدمت کے جذبے سے سرشار عوام بھی اپنا بھرپور حصہ ادا کررہی ہے۔ پاکستانی عوام میں ایک بات بہت اچھی ہے کہ وہ ایسے نازک وقت میں اپنے تمام تر اختلاف کو بھلا کر سچے محب وطن بن جاتے ہیں اور ملک وقوم کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کرنے میں دل وجان سے جت جاتے ہیں۔

ملک بھر میں کاغذ کا بحران اب اپنے پورے عروج پر پہنچ چکا ہے اور ملکی وغیر ملکی کاغذ نایاب سے نایاب تر ہوتا جارہا ہے۔ کاغذ کی عدم دستیابی کے باعث اشاعتی اداروں میں بے حد بے چینی پائی جارہی ہے۔ کاغذ کی عدم دستیابی اور کمیابی کے باعث نہ صرف رسائل و جرائد بلکہ اخبارات کی اشاعت بھی متاثر ہورہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ درسی کتب کی چھپائی بھی کافی حد متاثر ہے جس کی وجہ سے طالب علموں کا تعلیمی سال متاثر ہورہا ہے۔ اسی وجہ سے ملک میں تیزی سے بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوا ہے، ہمیں تو اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر کاغذ کا بحران اسی طرح جاری رہا تو کہیں اللہ نہ کرے کہ کاغذ ایک قصہ پارینہ بن جائے اور کاغذ کی داستان رہ جائے صرف داستانوں میں اور آنے والے وقتوں میں نانی اور دادی اپنے پوتوں اور نواسوں کو کاغذ کی کہانیاں سنائیں۔ اسکول کے بچوں کے بستوں میں کتابوں اور کاپیوں کے بجائے اب ٹیبلٹ اور لیپ ٹاپ ہوں گے اور کرنسی نوٹوں کی جگہ "ای" کرنسی میں لین دین ہونے لگے گا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بہت سے ممالک میں "ای" کرنسی اور ٹیبلٹ و لیپ ٹاپ کا رواج آہستہ آہستہ جگہ لے رہی پھر رہی سہی کسر ہماری ملک میں بجلی کی لوڈشیڈنگ نے پوری کردی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو عوام کے بنیادی مسائل کے حل کرنے کی ہدایت دے آمین۔

اس ماہ کے ستارے:۔

حنا بشریٰ، فرح بھٹو، مہوش اسد شیخ، شگفتہ کنول، ایشا گل، شحرش خان۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ

سعیدہ نثار

حمد

تری شان سب سے عظیم ہے
تیری ذات سب سے قدیم ہے
ترے نام دل کا سرور ہے
تیرے نام آنکھوں کا نور ہے
تجھے اپنے ناموں کا واسطہ
ترا فضل ہم پہ رہے سدا
کوئی ماہ ہو، کوئی سال ہو
ترا لطف شامل حال ہو
کوئی مرحلہ ہو حیات کا
رہے آسرا تری ذات کا
ملیں دو جہانوں کی دولتیں
تیرے سب خزانوں کی دولتیں
کبھی لب پہ تیری ثنا رہے
کبھی ذکر صلِ علیٰ رہے
تو ملیک و مالک و کبریا
نہیں اور کوئی تیرے سوا

عابد نظامی

نعت

مرا جذب دل میرے کام آگیا ہے
مدینے سے آخر پیام آگیا ہے
جہاں ذکر خیر الانام آگیا ہے
لبوں پر درود و سلام آگیا ہے
چمن میں جو وہ خوش خرام آگیا ہے
بہاروں کو گویا پیام آگیا ہے
ستاروں کو تابندگی بخشنے کو
افق پہ وہ ماہ تمام آگیا ہے
ازل سے زمانہ تھا مشتاق جس کا
وہ محبوب بالائے بام آگیا ہے
کوئی کاش آکر عنایت سے کہہ دے
غلاموں میں تیرا بھی نام آگیا ہے

پروفیسر عنایت علی خان

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

طلعت نظامی......کراچی

پیاری طلعت! سدا سہاگن رہو، آپ کی پھوپو جو کہ آپ کی ساس بھی تھی رضا الٰہی سے انتقال فرما گئی ہیں۔ سن کر بے حد دکھ وافسوس ہوا، ایک بہت قیمتی رشتے سے محروم ہو جانے انتہائی تکلیف دہ عمل ہے، دکھ کی اس گھڑی میں ہم دعا گو ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ مرحومہ کی کامل مغفرت و بخشش فرمائے، ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سمیت تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

فریدہ خان......لاہور

فریدہ ڈیئر، آباد رہو، پھولوں کا گلدستہ مبارک ہو۔ آپ اپنا انٹرویو بھیج سکتی ہیں۔ آپ کی تجویز اپنی جگہ لیکن آنچل بس اتنا ہی رابطہ رکھنا چاہتا ہے کہ انٹرویو چھپ جائے۔ پڑھنے والے پڑھیں اور جان جائیں ہمارے ادارے کی یہ پالیسی نہیں کہ ہم کسی کو بھی نمبر یا پتا دیں اور اس ہی لیے "دوست کا پیغام آئے" کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا کہ آپ سب ایک دوسرے سے بآسانی بات کرسکیں۔ امید تشفی ہوگئی ہوگی۔

گلناز رسول......کبیر والا

پیاری گلناز! سدا خوش رہو، کہانی بھیجتی رہیں اور صبر و انتظار کرتی رہو۔ ضرور شائع ہوں گی۔ اتنی جلد گھبرا گئیں۔

نجمہ جبار......بہاولپور

ڈیئر نجمہ، آباد رہو، آپ نے تعارف شائع کرنے پر شکریہ لکھ بھیجا اس کی ویسے ضرورت نہیں تھی یہ پرچا ہم قارئین ہی کی نگارشات سے سجاتے ہیں۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے جب بھی موقع ملا ان شاء اللہ پورا کردیں گے۔ دس اکتوبر کو آپ کی سالگرہ تھی ہماری طرف سے بہت ساری مبارک باد اور دعا قبول کیجئے۔

ماہ نور......جھنگ سٹی

ڈیئر ماہ، آباد رہو، اپنا تعارف بھیج دیجئے۔ چھپ جائے گا۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے، جب بھی موقع ملا ان شاء اللہ پورا کردیں گے۔

کشمالہ خان......اٹک

کشمالہ ڈیئر، جیتی رہو، آپ کا خط بغور پڑھا۔ رسائل تفریح مہیا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں تاکہ کچھ دیر کے لیے لوگ اپنے دماغ کو سکون پہنچا سکیں۔ سیاست وغیرہ ایسی چیز نہیں جسے رسائل جگہ دے سکیں اس کے لیے اخبارات کے کالم پڑھا کیجیے۔ لوگ رسائل بھی پڑھنا چھوڑ دیں گے اگر ہم نے اتنے تلخ موضوع کو جگہ دینی شروع کردی۔ ہماری تو یہی کوشش ہے کہ کسی بھی طرح کچھ پل خوش گوار گزار جائیں۔

سدرہ آرائیں......کوٹ غلام محمد

پیاری محسنہ، بہت سی دعا، بیلے کی کلیوں کو دعا کہیے اور شکریہ ادا کیجئے۔ آپ کی سالگرہ پر بہت سی دعائیں۔ تعارف بھیج دیں ان شاء اللہ جلد شائع کردیا جائے گا۔ پیاری بھانجی عمر دراز پاؤ خوشیوں کے ساتھ آمین۔

امبر تبسم......راولپنڈی

ڈیئر امبر! سلامت رہو، آپ کا خط اگر چھپ گیا تو خیر ورنہ نہ چھپنے کی شکل میں آپ کے دونوں بھائیوں کو شادی کی سالگرہ کی مبارک باد پہنچ جائے گی۔ قدرتی حسن کو میک اپ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کمی رہ جائے تو اسے میک اپ کے ذریعے کم کرلینا چاہیے۔ دونوں حالتیں ٹھیک ہیں۔ کبھی تو میک اپ سے چہرہ بھدا یعنی برا لگنے لگتا ہے۔ دراصل ناک نقشہ حسین ہونا چاہیے اور یہ قدرت کا کام ہے۔

سدرہ افتخار احمد......اسلام آباد

سدرہ ڈیئر! آباد رہو، پہلی بار خط لکھنے پر خوشی ہوئی۔

آنچل کو اور اہل آنچل کو دعاؤں سے نوازنے کا شکریہ۔ عفت سحر طاہر، ہمیرا شریف طور، نگہت سیما اور یاسمین نشاط کو آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچایا جارہا ہے کہ آپ بہت شدد سے ان بہنوں کو پڑھنا چاہ رہی ہیں۔ آپ تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے ایک ہی لفافے میں سب لکھ کر بھیج سکتی ہیں پر ہر سلسلے کے لیے الگ صفحہ ہونا چاہے اور ہر ایک پر آپ کا نام اور شہر کا نام بھی لکھا ہو۔

سمیرا ملک...... کراچی

پیاری سمیرا! سدا خوش رہو، آپ کے خط کا جواب حاضر ہے۔ اب تو شکوہ ختم ہوجانا چاہیے۔ ملک میں سیلابی صورت حال کے باعث ہر قسم کی ڈاک کی ترسیل بری طرح سے متاثر ہے اس ہی وجہ سے دو ماہ سے رسائل بھی تاخیر سے پہنچ پارہے ہیں۔ آپ کی ڈاک موصول ہوگئی ہے پر کیا کریں پرچا تیار ہوکر جاچکا ہے۔ بس ہمارے ہاتھ میں یہی صفحات تھے جو آپ کو جواب دے رہے ہیں آپ کی ڈاک سنبھال کر رکھ دی ان شاء اللہ اگلے ماہ شامل اشاعت کرلی جائے گی۔ امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

ماہ جبین...... ہری پور

ڈیئر ماہ! خوش رہو، آپ نے ٹھیک لکھا ہے۔ خط بھی اسی طرح لکھیے جیسے لکھا ہے یا پھر ای میل کردیا کریں۔ ہر سلسلہ کا ای میل ہر ماہ سلسلہ کے شروع میں پابندی سے شائع کیا جاتا ہے۔ ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک جو چیز بھی موصول ہوجاتی ہیں چاہے وہ ڈاک سے ہو یا ای میل پر وہی شامل اشاعت کرلی جاتی ہیں۔ دعاؤں کا شکریہ۔ اپنی کزنز کا بھی شکریہ ادا کردیجیے۔ آنچل پسند کرنے کا۔

مومل زہرا...... فیصل آباد

پیاری زہرا! جیتی رہو، آپ اپنا تعارف بھیج دیجیے ان شاء اللہ جلد شائع کردیا جائے گا۔ دوست کا پیغام مختصر ہو۔ اس کو جگہ جلدی ملتی ہے۔ بعض بہنیں دو دو صفحات کے خطوط لکھتی ہیں تو آپ ہی بتائیں کیسے جگہ مل سکتی ہے۔ یہ تو بس ننھے منے پیغام کا کالم ہے کہانی نہیں۔ جب تک کوئی بھی چیز شائع نہ ہوجائے تب تک دوستوں کو خبر نہ کیا کریں۔

ارم رحمان...... کراچی

پیاری ارم! سلامت رہو، آپ کی کوئی بھی ڈاک ابھی تک ہمیں موصول نہیں ہوئی۔ ورنہ اب تک آپ کی چیزیں چھپ چکے ہوتیں۔ آپ کی نظم بہت اچھی ہے۔ اگر یہ نظم آپ کی اپنی ہے تو جلد کے آنچل میں چھپ جائے گی اور اگر کسی اور کی ہے تو اس شاعر کا نام لکھ بھیجیے۔ لگتا یہی ہے کہ آپ کی اپنی کاوش ہے۔ بہر طور ہمارے نام ہے اس لیے بہت بہت شکریہ۔

سلمیٰ ملک...... چنیوٹ

سلمیٰ ڈیئر! آباد رہو، شاعری نامہ موصول ہوا۔ شاعری کیے جائیں اور کسی اچھے شاعر سے اصلاح کراتی رہیں۔ بہت جلد شاعرہ بن جائیں گی مگر ابھی نہیں۔ ابھی آپ کی شاعری شائع ہونے کی منزل میں داخل نہیں ہوئی۔ آپ نے جو قطعہ ہمارے لیے لکھا ہے اس محبت کا شکریہ۔

عائشہ نور...... فیصل آباد

عائشہ ڈیئر! جیتی رہو، آپ کی تحریر ہماری ذاتی پسند ہوتی ہے۔ بہنوں کو بھی پسند آتی ہے۔ اگر یہی اچھوتا پن، مختصر سا پیغام مگر نصیحت آموز اور خوب سے خوب تر کی طرف کرتی رہیں تو آپ ایک دن بہت کامیاب لکھاری بن جائیں گی۔

طیبہ مغل...... پسرور

پیاری طیبہ! سلامت رہو، شاعرانہ تفصیل کا خط موصول ہوا۔ پہلا خط پڑھ کر خوشی ہوئی ہے۔ شاعری ہم شعبے کو بھیج دیتے ہیں وہاں ردوقبول کا مرحلہ طے ہوتا ہے۔ اگر آپ کی نظم یا غزل معیار پر پوری اتری تو چھپ جائے گی ورنہ معذرت۔

شہناز رضا...... راولپنڈی

پیاری شہناز! بہت سی دعا، پہلا خط موصول ہوا۔ خوشی ہوئی۔ راحت وفا اور نازیہ کنول نازی، ام ایمان قاضی کی کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ۔ ان تک ان سطور کے ذریعے آپ کی پسند پہنچ جائے گی۔ دعا کے کے لیے

جزاک اللہ۔

عنبر جاوید...... گوجرانوالہ

عنبر ڈیئر! سلامت رہو، اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی ہر مراد پوری کرے آمین۔ اس سے زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتے۔ آپ افسانہ ہدایت نامہ کے مطابق بھیج دیجیے۔ اگر پسند آیا تو اطلاع دیں گے۔ ایک صفحہ، ایک لائن چھوڑ کر۔ کوشش کیجیے کہ پہلی بار افسانہ ہی لکھیں۔ ہر صفحے پر اس کا نمبر بھی لکھنا نہ بھولیے گا اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔

سحر ایمان...... خانیوال

عکاشہ ڈیئر! آباد رہو، آپ کی شاعری اس کے شعبے کو بھیج دی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع کردی جائے گی ورنہ معذرت۔

شبنم شبیر...... گجرات

پیاری شبنم! شاد رہو، کہانی اگر بھیجنا چاہتی ہیں تو بھیج دیجیے۔ آنچل کے معیار پر پوری اتری تو چھپ جائے گی ورنہ معذرت۔ کہانی واپس نہیں کی جاتی اس کے لیے آپ اپنے پاس فوٹو کاپی کروا کر رکھ لیجیے۔ چھپ جائے گی یہ ہم قبل از وقت کیسے بتا سکتے ہیں وہ بھی بغیر پڑھے۔

ارم خان...... ایبٹ آباد

ڈیئر ارم! خوش رہو، دعاؤں کا شکریہ۔ اپنی سہیلیوں کا بھی شکریہ ادا کیجیے "آنچل" پسند کرنے کا اور کہہ دیجیے آنچل مانگنے کا نہیں ہونا چاہیے۔ اپنا ہو اور وہ بھی خریدا ہوا۔ لکھنے کا طریقہ ٹھیک ہے مگر کہانی لکھنے کا طریقہ اس سلسلے کے آخر میں ہر ماہ شائع کیا جاتا اس کو بغور پڑھ کر اپنی کہانی بھیج دیں ڈاک یا ای میل سے۔

رضیہ زمان...... کراچی

رضیہ ڈیئر! خوش رہو، غزل شعبے کو بھیج دی۔ ان کو پسند آئی اور معیار پر بھی پوری اتری تو چھپ جائے گی ورنہ معذرت۔ یہ فیصلہ ہمارا نہیں ہوتا شعبے کا ہوتا ہے۔ پہلا خط لکھنے کا شکریہ۔

سلمیٰ جبار...... اسلام آباد

سلمیٰ ڈیئر! سلامت رہو، پہلا خط ملا۔ خوشی ہوئی "آنچل" پسند کرنے اور اسے رسالوں کا "بادشاہ" بنانے کا شکریہ۔ آپ کے پرخلوص خط کا پرخلوص جواب حاضر ہے۔ امید ہے آئندہ بھی شریک محفل رہیں گی۔

ماہین علی...... سیالکوٹ

پیاری ماہین! جیتی رہو! پہلا خط ملا۔ خوشی ہوئی۔ آنچل پسند کرنے کا شکریہ۔ نعت گوئی اور حمد لکھنے کا شوق ایک بہت اعلیٰ شوق ہے مگر اس کے لیے جو شعراء نے پیمانے مقرر کردیئے ہیں اس پر پورا اترنا ضروری ہے۔ حمد ونعت لکھنا ایک بہت ذمہ داری اور مشکل کام ہے۔ آپ کی حمد و نعت فن پر پوری نہیں اترتی اس لیے معذرت خواہ ہیں۔ ابھی آپ مزید محنت کریں اور اگر ہوسکے ہو کسی اچھے شاعر سے اصلاح بھی لیجیے تاکہ آپ کے فن کو نکھار مل سکے۔

شاہین سحرش...... حجرہ شاہ مقیم

شاہین ڈیئر! خوش رہو، عشنا جی، سمیرا جی کو آپ کا پیغام پہنچا دیا جائے گا کہ وہ زبردست ناول لے کر جلد آئیں۔ آپ ناول کے بجائے پہلے افسانہ لکھ کر بھیج دیں۔ امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔

زنیرہ چوہدری...... آزاد کشمیر

زنیرہ ڈیئر! آباد رہو، آپ کا تبصرہ اپنی جگہ مگر آنچل میں ہر طرح کی کہانیاں چھپتی ہیں۔ ظاہر ہے ایک یا دو کہانیاں ہی گھریلو انداز کی چھپیں گی ورنہ سب معاشرے کا ہی عکس ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ پڑھنے والوں کی اکثریت کس قسم کی کہانیاں پسند کرتی ہے۔ رسالہ فروخت کرنا بھی ہوتا ہے لہٰذا ایک آدھ کہانی تو یقیناً آپ کو اپنے مزاج کے مطابق مل ہی جاتی ہے ورنہ تمام رسائل میں ایک جیسی ہی کہانیاں ملیں گی۔

زاہدہ امل...... گلگت

زاہدہ ڈیئر! خوش رہو، آنچل کی خوب صورت لفظوں میں تعریف پسند آئی شکریہ۔ گلگت بھی ان شاء اللہ کبھی نا کبھی آ ہی جائیں گے۔ دل کے دروازے کھلے رکھئے، گھر کے بند کرلیجیے۔ ہم نے تو کراچی بھی پورا نہیں دیکھا۔ ہم

کہیں بھی بہت کم آتے جاتے ہیں۔ بہر طور مدعو کرنے کا شکریہ۔ ابھی صرف افسانہ ہی لکھیے گا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انیلہ شاہین گلگت میں کہاں رہتی ہیں۔

ظفر محی الدین......کراچی

محترم! خوش رہیں، ڈاک سے آپ کی ارسال کردہ کتاب "زندگی اے زندگی" موصول ہوئی، آپ کو کتاب کی اشاعت پر مبارک باد، ابھی پڑھی نہیں ان شاءاللہ فراغت کے لمحوں میں پڑھنے کا ارادہ ہے۔

قابل اشاعت:۔

تو میری عید کا چاند، میرا کیا قصور تھا، من عشقم، قصوروار کون، کامیابی کا ضامن، ہیروئن، اندھے ہو جاؤ، پانچوں انگلیاں برابر نہیں، سحر، رانی، من مرضیاں، دیوانگاں محرم، بہار رت، پرستان، آنگن کا پھول، تجھ سنگ نیناں لاگے، دل داغ دار، سائبان۔

نا قابل اشاعت:۔

خدا جانے، دھندلی راہیں، شب مرگ، سوالیہ نشان، سائبان، محبت مسکرادی، مہر عندلیب، جی حضوری، داماں درد ہوئے تم، دل ریزہ ریزہ گنوادیا، آئینہ، قربانی، بیٹیاں، فلسفہ حیات، دور جہالت، زندگی، فیصلہ، قبول ہے، محبوب آپ کے قدموں میں، بزرگ کی دعا، زندگی گزاریں گے، تو میری عید کا چاند، مہنگا پیار، ترستا ارمان، جھوٹی محبت۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے انپیج کی فائل ہو، ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ editor_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ بنگلو نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بالمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد بلاک A، کراچی 74700

مشتاق احمد قریشی

ترجمہ:۔اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری ہے جو دن حق وباطل کی جدائی کا تھا، جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (انفال۔۴۱)

آیت مبارکہ میں جنگ بدر کا احوال بیان ہوا ہے جو بدر کے مقام پر سن ۲ ہجری سترہ (۱۷) رمضان المبارک کی صبح کو ہوئی تھی اس دن کو رب کائنات نے یوم الفرقان کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی مسلمانوں کو فتح وغلبہ دے کر واضح کر دیا کہ اسلام حق ہے اور کفر وشرک باطل ہیں۔جنگِ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد چونکہ کم تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اہلِ ایمان بندوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو اور آیاتِ الٰہی (معجزات) کا نزول بدر کے میدان جنگ میں فرمایا تھا۔

چونکہ رمضان المبارک کی سترھویں رات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول مبارک نہیں ہے اس لیے یہ قابل حجت نہیں ہے۔احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال سے یہ بات ثابت ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہی تلاش کرنی چاہیے۔

شریعت کا مقصد کسی خاص رات کا تعین نہیں، کیونکہ اس طرح لوگوں میں عبادت وریاضت میں شوق اور جستجو کا جذبہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اور مستند روایات سے منقول

ہے زیادہ سے زیادہ عشرہ آخر کی طاق راتوں یعنی اکیس (۲۱) تئیس (۲۳) پچیس (۲۵) ستائیس (۲۷) اور انتیس (۲۹) کی راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنے اور عبادات وریاضات کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ (تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی)

بعض احادیث میں اس رات کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ رات کھلی ہوئی اور چمک دار ہوتی ہے' صاف شفاف نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ انوار الٰہی کے نزول کی کثرت اس رات میں ہوتی ہے۔ اس مبارک رات میں چاند کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ اس رات کی صبح کو سورج بغیر شعاعوں کے اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ گویا وہ بالکل ایک ہموار سی ٹکیہ ہو۔ اس دن شیطان کو آفتاب کے ساتھ نکلنے سے روک دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد۔ البیہقی۔ فضائل رمضان مولانا زکریا کاندھلوی)

اس فضیلت والی رات میں یہ واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے تھوڑے تھوڑے عمل پر بھی اس قدر زیادہ نوازتا ہے کہ انسان کی عقل اس کو اپنے تصور میں بھی نہیں لاسکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خصوصاً اہلِ ایمان بندوں سے خصوصی شفقت ومحبت عنایاتِ عالیہ کا معاملہ فرماتا ہے۔ ان کی بخشش ومغفرت کے لیے حیلے بہانے سے اپنے رحم وکرم اور فضل کے دروازے کھولتا رہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ انسان بڑا ہی نا سمجھ ہے۔ وہ شیطان جسے صرف وسوسے ڈال کر انسان کو بہکانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس کے چنگل میں اپنے آپ کو پھنسا کر خود اپنے ہاتھوں اپنی آخرت کو خراب کرلیتا ہے۔ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اختیار دیا ہے کہ وہ خود کو شیطان کے وسوسوں سے بچا سکے یہی اس کا امتحان ہے۔ شیطان کو قطعی یہ طاقت حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر یا کسی کو کسی طرح

دھمکا کر برائی، بدی، یا کفر وشرک پر مجبور کر سکے۔ اسے تو ہر برائی کفر وشرک کو اچھے سے اچھا بنا کر پیش کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔ وہ بھی وسواس کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو ممتاز واشرف مقام پر فائز کیا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کا جتنا بلند واعلیٰ مقام ہے اس کی اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ خود کو کیسے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اللہ کی ہدایات واحکامات پر کس طرح اور کیسے عمل کرتا ہے۔ اگر انسان خود کو شیطانی وسواس سے محفوظ رکھ لیتا ہے تو وہ اس دنیا کی امتحان گاہ سے کامیاب وکامران ہو کر اپنی آخرت کی طرف لوٹے گا اور اگر خود کو وہ ان شیطانی وسواس سے نہ بچا سکے تو اس نے اللہ کے احکام سے انحراف کر کے خود کو دائمی عذاب کے حوالے کر دیا۔ شیطان کے وسواس سے خود کو بچانا ہی اس دنیا کی امتحان گاہ کی آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور شیطان مردود سے ہر ہر طرح سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔

دعائے تکمیل تالیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

یا ربّ اللعالمین یا مالک الملک اے خالقِ دو جہاں، اے مالک اے میرے پروردگار! تیرا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہی ہے۔ یقیناً تیرا شکر یہ حقیر کم ترین بندہ ادا ہی نہیں کر سکتا لیکن تو جو رحیم ہے کریم ہے، رحمٰن ہے غفور ہے۔ اے میرے آقا یہ تیرا فضلِ خاص ہی ہے کہ تو نے اپنی رحمت وتوفیق سے مجھ عاجز، کم تر کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ تیرے کلامِ پاک کی اپنی تمام تر کم علمی، کم فہمی کے باوجود ادنیٰ سی خدمت کر سکوں یقیناً تو ہی قادر مطلق ہے۔ جس سے جس طرح تو چاہے جو چاہے کام لے سکتا ہے۔

اے میرے مالک! اے میرے پروردگار! اے رحمٰن ورحیم اے ذوالجلال والاکرام میں اپنی تمام تر کم

علمی تمام تر عجز و انکسار کے ساتھ تیری بارگاہ میں تیرے کلام کی یہ ادنیٰ سی خدمت لے کر حاضر ہوں۔ اے پاک پروردگار! اے ہمارے رب! تو بڑا فضل کرنے والا شفیق و مہربان ہے تو اپنے کرم خاص سے اس عاجز کی یہ ادنیٰ کوشش قبول فرما۔ اے آقا اے مالک و خالق اپنے کلامِ عظیم کی میری اس ادنیٰ سی خدمت کو قبول فرما یقیناً میری یہ تالیف اس قابل تو نہیں کہ تیری بارگاہ میں پیش کر سکوں تو جو علیم ہے خبیر ہے سمیع ہے تو خوب جانتا ہے تو ہی تو ہے جو ہماری سوچوں تک سے ہمارے ارادوں سے پوری طرح واقف ہے۔ اے مالک الملک اے آقائے دو جہاں! میں اپنی تمام تر شرمندگی اور عجز کے ساتھ اپنا سر تیرے حضور جھکائے ہوئے حاضر ہوں مجھے احساس ہے کہ میں تیرے عالی مرتبت کلام کی وہ خدمت نہیں کر سکا جو اس کلامِ عظیم کا حق ہے۔ میرے آقا میرے مالک اس عاجز کی اس ادنیٰ کوشش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرما لے قبول فرما لے اور اسے امت مسلمہ کے لیے نافع بنا دے۔ مجھ کم علم کم فہم کو وہ علم عطا فرما جو تیری تائید و توفیق لیے ہوئے ہو جو تیرے عظیم ترین کلام کی خدمت کا اس ناچیز کو اہل بنا سکے۔

اے پاک پروردگار! اے مالکِ کائنات میرے حال زار پر رحم فرما رحم فرما' میرے والدین کی میری اہلیہ و اولاد کی بخشش فرما ہمیں صراط مستقیم پر چلنے والا بنا دے ہمیں اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا بنا دے ہماری مغفرت فرما ہمیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرما اور ہر زمینی و آسمانی بلا سے محفوظ فرما ہمیں شیطان مردود سے اپنی پناہ عطا فرما ہر قسم کی آفات سے محفوظ فرما۔ آمین یارب العلمین۔

(ختم شد)

وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

خود اپنی آگ میں جلتا کہاں سے
پرائی آگ میں جلتا رہا میں
میری تو جیت بھی ہار ہی تھی
خود اپنے آپ سے لڑتا رہا میں

کیوں رات کی ریت پہ بکھرے ہوئے
تاروں کے کنکر چنتی ہو
کیوں سناٹے کی سلوٹ میں
لپٹی آوازیں سنتی ہو
کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھالر میں خواب پروتی ہو
اب کون تمہاری آنکھوں میں
صدیوں کی نیند انڈیلے گا
اب کون تمہاری چاہت کی
ہریالی میں کھیلے گا
اب کون تمہاری تنہائی کا ان دیکھا دکھ جھیلے گا
اب ایسا ہے
یہ رات مسلط ہے جب تک
یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں
یہ زخم جہاں تک چبھتے ہیں
یہ سانسیں جب تک چلتی ہیں
تم اپنی شوخ کے جنگل میں
راہ بھٹکو اور پھر کو جاؤ
"اب سو جاؤ"

☆☆☆

"گرین پیلس" کے سامنے آ کر گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔

محراب نے اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کے لیے ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آئرہ نے پوچھا۔

"ہوسپٹل کب تک چلنا ہے؟"

"تھوڑی دیر ریسٹ کر کے نکلتی ہوں۔"

"اوکے جب بھی جانا ہو مجھے کال کر لینا میں آ جاؤں گی، میرا نمبر نوٹ کر لو۔"

"نہیں میں خود چلی جاؤں گی، بہت شکریہ آپ کا آپ نے اتنا ساتھ دیا۔"

"کوئی بات نہیں مجھے اچھا لگتا ہے ہمیشہ مشکل میں دوسروں کا ساتھ دینا۔ تمہارے لیے تو اب دوستی والی فیلنگز آ رہی ہیں مجھے، چلو نمبر سیو کرو شاباش۔"

"میرے پاس موبائل نہیں ہے۔"

"وھاٹ...... نہ کرو یار۔" محراب کے دھیمے لہجے پر وہ بے ساختگی میں چلائی۔

"سچ کہہ رہی ہوں، ہمارے ہاں لڑکیوں کے پاس موبائل کا تصور بھی نہیں ہے۔"

"کیوں......؟ اب تو بہت فاسٹ دور جا رہا ہے

یار۔"

"جتنا بھی فاسٹ دور چلا جائے ہمارے گھرانوں کی روایات پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔"

"چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں اس کا حل بھی جلد ہی نکال لیں گے اب فی الحال آنٹی کو لے کر چلو، شاید انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

محراب اثبات میں سر ہلاتی گاڑی سے اتر گئی۔

مریم بیگم اب تک خاموش تماشائی بنی گاڑی میں یوں بیٹھی تھیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو۔ محراب نے ان کی جانب کا دروازہ کھولا اور انہیں گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔

"چلیں امی......" [illegible] اس دیوہیکل بنگلے میں داخل ہونے سے خوف نہیں آرہا تھا۔

مریم بیگم اس کی ہدایت پر چپ چاپ آگے بڑھ گئیں۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"کیا ہوا، اداس ہیں؟" انہیں تنہا سوچوں میں گم بیٹھی دیکھ کر وہ بولی۔ مریم بیگم نے آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہلکے سے اس کا گال چھوا۔

"نہیں بیٹا۔"

"جھوٹ مت بولیں ــــ میں سب جانتی ہوں، آپ کے لیے ابو اور نایاب کو پیچھے چھوڑ کر آنا آسان نہیں تھا۔"

"ہاں...... مگر تمہیں چھوڑ دینا بھی آسان نہیں تھا۔"

"ہم ایک دوسرے کے ساتھ یہاں خوش رہیں گے امی۔"

"ہوں......" محراب کے ہاتھ تھامنے پر وہ محض سر ہلا گئیں۔

"چلیں اب آپ کچھ دیر آرام کر لیں...... میں آئرہ سے کہہ دیتی ہوں میری غیر موجودگی میں وہ آپ کے پاس آجائے گی۔"

"تم کہیں جا رہی ہو کیا؟"

"مجھے ہوسپٹل جانا ہے امی۔"
"اس وقت ہوسپٹل کیوں جارہی ہو؟"
"زارون کے لیے...... اسے اس وقت میری ضرورت ہے۔"
"نہیں......کوئی ضرورت نہیں ہے اسے تمہاری...... وہ نایاب کا قاتل ہے، تمہاری خوشیوں کا قاتل ہے، جو بھی اس کے ساتھ ہوا ہے اس کی اپنی غلط حرکتوں کی سزا ہے۔ تمہیں اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔" مریم بیگم اس وقت اس کا زارون کے پاس ہوسپٹل جانا اچھا نہیں لگا تھا۔
"نہیں امی! یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے...... بہت بری حالت ہے زارون کی، اس حال میں اگر میں بھی اس جیسی بے حس بن جاؤں تو میرے اور اس کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا؟" محراب نے امی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔
"میں کچھ نہیں جانتی...... وہ لڑکا اب تمہارے قابل نہیں ہے۔"
"پہلے بھی نہیں تھا مگر میں اس کے ساتھ رہ رہی تھی اب تو حالم بھی نہیں رہا اور پھر سب سے بڑی بات جس مذہب کی میں پیروکار ہوں ناں امی...... اس مذہب میں انسانیت اور خصوصی طور پر شوہر کے مقام کا درس بہت واضح دیا گیا ہے۔ اللہ کے بعد اگر کسی کو سجدے کا حکم ہوتا تو بیویاں اپنے شوہروں کو سجدہ کرتیں، میں اسے سجدہ نہیں کررہی صرف اس کی مدد کررہی ہوں۔ کیا آپ نے یہ سب نہیں سکھایا ہمیں؟" محراب امی کو قائل کرنا چاہا۔
مریم بیگم اس بار خاموش رہیں۔ ان کی بیٹی اپنا فرض نبھارہی تھی جس سے وہ اسے باز نہیں رکھ سکتی تھیں۔
بالآخر وہ امی کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور ان کی اجازت سے انہیں تسلی دے کر نکلی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ کلائی پر بندھی ریسٹ واچ پر وقت دیکھتے ہوئے اس نے پاس سے گزرتا رکشہ روکا اور ہوسپٹل کے لیے روانہ ہوگئی۔
جس وقت وہ ہوسپٹل پہنچی آسمان کالے سیاہ بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ رکشے والے کو مطلوبہ کرایہ دے کر وہ قدرے تیز قدموں سے چلتی جوں ہی زارون کے کمرے کے باہر پہنچی اندر سے آتی زارون کے بڑے بھائی کی تیز آواز نے اس کے قدم وہیں جکڑ لیے تھے۔
"خاک ڈال دی ہے تم نے ہمارے سروں میں...... کس منہ سے آتے یہاں تمہارا حال پوچھنے، سارے علاقے کے سردار ناراض ہوئے بیٹھے ہیں تمہاری حرکتوں پر ان سب نے تم سے قطع تعلق کی وارننگ دے دی ہے۔ اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے تم سے کہا تھا کہ دفع ہوجاؤ یہاں سے کہیں چلے جاؤ اور جب تک یہاں ہو احتیاط سے کام لو مگر نہیں تمہیں تو عادت ہے ناں رنگ برنگی تتلیوں کے ساتھ ادھر ادھر جھک مارنے کی...... اب دیکھ لیا ناں اس لاپروائی کا نتیجہ، پڑے رہنا ساری زندگی اس بستر پر لاوارثوں کی طرح، کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہارے زخموں پر پھائے رکھے۔" اس لمحے محراب کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی تھی۔
"بس یہی سب کہنے آئے تھے یہاں؟" زارون عبدالرحیم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔
"نہیں جوتے مارنے آیا تھا تمہیں مگر فی الحال تمہاری حالت ایسی نہیں ہے اس لیے زبانی کلامی ڈانٹ سے کام لے رہا ہوں۔ وہ الو کی پٹھی جو بھی ہے ابھی کے ابھی فارغ کرو اسے پھر تمہارے بارے میں سوچتے ہیں کیا کرنا ہے۔"
"آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بھائی...... وہ لڑکی اب خود ہی مجھ سے جان چھڑا رہی ہے۔"
"چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے تم بھی اس سے اپنی جان چھڑالو۔" لیکن اس بار زارون بھائی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
باہر دروازے کے قریب کھڑی محراب خون کے گھونٹ پی کررہ گئی تھی۔
"چلو ٹھیک ہے اب چلتا ہوں میں کسی چیز کی ضرورت

ہوتو بتا دینا۔'' تب ہی محراب کے وجود میں قدم آگے بڑھانے کی جرأت پیدا ہوئی تھی۔
''السلام علیکم!'' اس کے سلام پر زارون اور لالہ دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' اس کے سر پر بھاری ہاتھ رکھتے ہوئے لالہ نے اس کی خیریت دریافت کی۔ محراب سر جھکائے کھڑی رہی۔
''میں ٹھیک ہوں لالہ آپ کیسے ہیں؟''
''کرم ہے اللہ پاک کا...... ایسا ہے کہ مجھے ابھی ضروری کام ہے۔ میں چلتا ہوں تم زارون کا خیال رکھو، ابھی یہ جس حال میں ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔ جو بھی اس نے تمہارے ساتھ کیا اسے بھول جاؤ بس اتنا یاد رکھو کہ یہ تمہارا شوہر ہے، تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے، اس کا ساتھ دینا ہے۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گا اور ہاں تمہیں اس وقت بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
''جی لالہ......'' لالہ کی لمبی چوڑی ہدایت کے جواب میں وہ محض یہی کہہ سکتی تھی جواب میں وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔
محراب نے دیکھا زارون کا چہرا کافی پیلا اور بے رونق سا ہو رہا تھا آنکھوں کی چمک بھی ماند پڑ گئی تھی شاید اس کا بہت زیادہ خون بہا تھا۔
''اب کیسی طبیعت ہے؟'' بستر پر اس کے پاؤں کی طرف بیٹھتے ہوئے اس نے زارون سے نظر ملائی مگر وہ نظر چرا گیا۔
''ٹھیک ہوں، بڑی جلدی آ گئیں تم۔'' اس کے یوں طنزیہ انداز میں شکوہ کرنے پر وہ مسکرا دی۔
''صبح آئی تھی مگر تم دواؤں کے زیر اثر سو رہے تھے۔''
''کس کے ساتھ آئی ہو؟'' سوال ایسا تھا کہ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بول سکی۔
''غزالہ آئی تھی؟ مگر......'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ محراب کا سر نفی میں ہل گیا۔
''نہیں ملازم کو بھیجا تھا اس نے اسی سے پتا چلا۔''
''تمہیں تو خوشی ہو رہی ہوگی تمہاری بد دعائیں رنگ لے آئیں۔'' جانے وہ اس کے اندر سے کیا کھوجنا چاہ رہا تھا۔ محراب کی نظر پھر اس کی نظروں سے الجھ گئی۔
''تمہاری طرح خود غرض اور دوسروں کا برا چاہنے والی نہیں ہوں میں۔''
''اچھا...... پھر کیا میری ہمدردی میں یہاں آئی ہو؟''
''نہیں میری نظر میں تم کسی ہمدردی کے لائق نہیں ہو۔''
''تمہاری نظر میں تو میں محبت کے لائق بھی نہیں ہوں۔''
''جی ہاں۔''
''پھر کس لائق ہوں میں؟''
''اللہ بہتر جانتا ہے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔''
''اوہ...... یعنی میں نے جو عباد کے ساتھ کیا اسی کی سزا ہے یہ۔''
''جی ہاں۔''
''پھر اب کیا کروں جا کر معافی مانگوں اس سے؟''
''مانگنی تو چاہیے۔''
''شٹ اپ۔'' اسے غصہ آیا تو محراب رخ پھیر گئی۔
''کیا کہتے ہیں ڈاکٹر کب تک فارغ کریں گے تمہیں۔''
''کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' عباد کے ذکر پر اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ محراب خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
''کوئی وجہ نہیں ویسے بھی پوچھا۔''
''ابھی چار پانچ دن لگیں گے۔ تم چاہو تو یہیں رک سکتی ہو، اکیلی نہیں رہ سکتیں تم وہاں۔''
''اکیلی نہیں ہوں امی ساتھ ہیں میرے۔''
''وہ کب آئیں؟''
''آج صبح ہی لائی ہوں، لال حویلی میں اب ان کی اور میری کوئی جگہ نہیں رہی۔''
''کیوں؟''

"چچا جان نے منع کردیا ہے جب تک تمہارے نکاح میں ہوں میرا حویلی میں داخلہ بند ہے۔"
"چلو اچھی بات ہے۔ میرے بغیر تم نے ادھر جا کر کرنا بھی کیا ہے، اب تو چچی بھی نہیں ہیں وہاں۔"
"ہاں مگر میرے بابا اور بہن کی قبریں ہیں وہاں۔"
"تو کیا ہوا، قبروں کے ساتھ زندگی بسر نہیں ہوتی۔"
"تم کتنے بے حس انسان ہو زارون عبدالرحیم۔"
"بس ایسا ہی ہوں میں۔"
محراب کے دکھ کو اس نے ہوا میں اڑا دیا۔ وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
"آہ...... چچی کے ساتھ گھر رہو گی تو یہاں میری دیکھ بھال کون کرے گا؟" وہ اب بھی اپنا ہی سوچ رہا تھا۔
محراب جو سارے راستے یہ سوچتی آئی تھی کہ وہ اندر سے ٹوٹ چکا ہوگا، غم زدہ ہوگا...... اس کا سامنا نہیں کر سکے گا تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس حادثے نے زارون کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔
"پتا نہیں۔"
"کیا مطلب پتا نہیں...... میں شوہر ہوں تمہارا، میرا حق ہے تم پر۔"
"تو کیا کروں، اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ دوں؟ تم اپنے پاس اپنی دوسری بیوی کو کیوں نہیں بلا لیتے، ویسے بھی تمہارے ساتھ اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"اس کی وجہ سے نہیں تمہاری وجہ سے، نہ تم عباد الطیف کو گھر بلاتیں، نہ مجھے غصہ آتا نہ یہ سب ہوتا۔"
"میں نے گھر نہیں بلایا تھا اسے۔"
"اچھا...... پھر اسے الہام ہوا تھا کہ تمہیں وہاں رکھا ہوا ہے میں نے۔" زارون نے غصے سے کہا۔
"یہ تم اسی سے پوچھنا۔"
"اس سے پوچھنے کا تو بدلا لیا ہے چچا نے۔"
"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔
"چھوڑو مطلب کو تمہیں کیا لینا ہے کسی مطلب سے۔" اس نے بےزاری سے کہا۔ محراب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔
"لالہ کیا کہہ رہے تھے؟"
"کچھ نہیں۔"
"کیا تمہاری دشمنی تھی کسی کے ساتھ؟"
"ہاں...... محراب عبدالکریم کے ساتھ۔"
محراب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"تم ساری زندگی نہیں سدھر سکتے، کبھی بھی نہیں۔"
"سدھر کے کرنا بھی کیا ہے، تمہاری نظروں میں تو ہمیشہ برا ہی رہوں گا میں۔"
"تمہیں فرق پڑتا ہے اس بات سے کہ میری نظروں میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"
"نہیں۔" بے حد ڈھٹائی سے اس نے کہا تو وہ کلس کر رہ گئی۔
"تو پھر میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔"
"تمہیں کس نے کہا میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔"
وہ لطف اندوز ہوتا اسے چڑا کر۔ محراب اسے گھور کر رہ گئی۔
"چلو کروٹ بدلاؤ مجھے، ایک ہی سائیڈ پر لیٹے لیٹے تھک گیا ہوں۔" اس حکمانہ انداز میں کہا۔
"نرس کو بلا کر لاتی ہوں۔" اس نے بےزاری سے کہا۔
"کیوں تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"
"کوئی مسئلہ نہیں، ابھی نیا نیا زخم ہے احتیاط بہتر ہے۔" سہولت سے کہتی وہ کمرے سے نکل گئی۔
تقریباً پانچ منٹ بعد نرس نے آکر اسے کروٹ بدلا دی۔ ساتھ ہی نیند کا انجیکشن بھی دے دیا۔ وہ سو گیا تو محراب ڈاکٹر سے مل کر گھر آ گئی۔
مریم بیگم سو رہی تھیں۔ محراب نے ان کی نیند خراب کرنا مناسب نہ سمجھا اور رات کے کھانے کی تیاری میں

کا صافہ اتار کر عقیدت سے ابا کے عرق آلود چہرے کو پونچھا اور نہ ہی ابا کی گرد مٹی میں اٹی جوتیاں احترام سے اتارنے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے ہاتھ دھلائے اور نہ ہی پوچھا کہ ابا لسی لے آؤں؟

"تشویش تو فرض تھی ناں۔"

"چل میری دھی تو مجھے اک گلاس پانی پلا دے...... اور تو جا کر آرام کر۔" رحمت علی کا دل تو کسی انجانی سیفکر نجیسے دبوچ ہی لیا تھا۔ کھل کر دھی رانی سے کچھ پوچھا بھی نہیں جا رہا تھا اور وہ بھی کونسا من بھتر کی بات بات کو بتانے والی تھی...... مرے مرے قدموں سے مٹی کے پیالے میں پانی بھر کر ابا کے حوالے کیا اور پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ......!

"آج لسی کی جگہ پانی کیوں ابا؟" ورنہ وہ تو ابا کے سر ہو جایا کرتی تھی کہ لسی...... لسی اور بس لسی...... اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی لاڈلی کے اصرار پہ رحمت علی کو لسی ہی پینی پڑتی تھی؛ لاتعلق سی ریشم پانی ابا کے حوالے کر کے دوبارہ سے چارپائی پہ مردہ وجود کے ساتھ آ گری...... مگر اب سوچوں میں ملنے والا خمار اور سرور کہاں تھا...... جس میں خلل رحمت علی کی آمد نے ڈال دیا تھا...... اب تو بس بیزاریت تھی اور چڑچڑاہٹ۔

☆......☆......☆

ریشم رحمت علی کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس سے پہلے تین بیٹے بھی پیدا ہوئے تھے...... مگر وہ بہت چھوٹی عمروں میں کوئی بیماری لگ جانے کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے...... تو رحمت علی تو غم سے نڈھال ہو گیا اور پھر دس سال رحمت علی کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تو اپنے پرائے ہر کسی نے بے اولادی کا طعنہ دینا شروع کر دیا جس نے رحمت علی کی فکر و پریشانی کو مزید بڑھایا تھا...... شب و روز رب سوہنے کے حضور گڑگڑاتے گزرنے لگے...... تو اس ذات کی رحمت جوش میں آ گئی...... دس سال کے اذیت ناک صبر کا پھل اور صلہ بیٹی کی شکل میں دے کر اس کے رب نے اس کے تن مردہ میں جان ڈال دی...... وہ اس خوشی

مصروف ہوگئی ابھی آٹا گوندھ کر رکھا ہی تھا کہ آئرہ چلی آئی۔

''السلام علیکم!'' بلند آواز میں سلام کرتے ہوئے وہ کچن میں ہی آ گئی۔

محراب نے آٹا ڈھانپتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا پھر اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آٹا فریج میں رکھ دیا۔

''کیسی ہو، ہوسپٹل نہیں جانا؟'' آئرہ نے پوچھا لیکن وہ جواب دینے کے بجائے مسکرادی۔

''ٹھیک ہوں اور ہوسپٹل سے ہو کر بھی آئی ہوں۔''

''واقعی......؟''

''جی ہاں......''

''کمال کردیا یار، بتایا ہی نہیں۔''

''کیسے بتاتی، موبائل نہیں ہے میرے پاس، بتایا تھا تمہیں...... اسی لیے رکشہ لے کر چلی گئی تھی۔''

''ہوں...... کیسی طبیعت ہے اب تمہارے شوہر کی؟''

''پہلے سے بہتر ہے۔''

''اس وقت کون ہے اس کے پاس؟''

''کوئی بھی نہیں۔''

''کیوں......؟'' فریج سے سیب نکال کر صاف کرتے ہوئے وہ حیران ہوئی جب محراب نے بتایا۔

''گھر والے ناراض ہیں اس سے۔''

''اور اس کی دوسری بیوی؟''

''وہ بھی چھوڑ رہی ہے اسے۔''

''تمہیں کیسے پتا؟''

''اپنے بھائی کو بتا رہا تھا وہ۔''

''ظاہر سی بات ہے، اب وہ کیوں رہے گی اس کے ساتھ، وہ اب اس کے کسی کام کا جو نہیں رہا۔'' سیب کا بڑا سا ٹکڑا دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔ محراب رخ پھیر گئی۔ تب ہی وہ بولی۔

''بہرحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فرحت نے تمہارے شوہر کی رپورٹس باہر بجھوائی ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا کرو کوئی مثبت جواب آئے۔ ان شاء اللہ تمہارا شوہر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' بے ساختہ اس نے کہا تو آئرہ مسکرائی۔

''رات میں اسے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''ہاں...... مگر میں امی کو اکیلی چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔''

''تم امی کی فکر مت کرو۔ میں ہوں ناں، میں ان کا خیال رکھ سکتی ہوں۔''

''تمہارے گھر والے اعتراض کریں گے۔''

''نہیں، کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ میں آنٹی کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ صبح جب تم واپس آؤ تو لے آنا ساتھ۔'' اس نے مسئلے کا حل نکالا۔ محراب اس کی اس درجہ محبت پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

رات کا کھانا اس نے وقت سے پہلے ہی تیار کرلیا تھا۔ مریم بیگم سو کر اٹھیں تو اس نے کھانا لگا دیا۔ اسے بھوک نہیں تھی مگر پھر بھی صرف مریم بیگم کی خاطر اس نے ان کا ساتھ دیا۔ کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر وہ مریم بیگم کو بتا کر ہوسپٹل کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔

آئرہ نے اسے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی کی آفر کی مگر اس نے انکار کردیا تھا۔

وہ جب ہوسپٹل پہنچی تو زارون جاگ رہا تھا۔ اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اس نے خفگی سے رخ پھیر لیا۔

''السلام علیکم!'' محراب نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا لیکن زارون نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''پتا نہیں۔''

''کیوں...... کیا ہوا، کوئی آیا تھا کیا؟''

''تم سے مطلب؟ کوئی آئے، کوئی جائے یا میں اکیلا یہاں پڑا بے بسی سے سڑتا رہوں۔ تم کون ہوتی پوچھنے والی؟'' اس نے خفگی سے کہا۔ محراب کے لبوں پر بے

ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔
"سوتا چھوڑ کر گئی تھی تمہیں۔ امی اکیلی تھیں، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ رات کا کھانا پکانا تھا۔ تمہارے لیے بھی لائی ہوں۔" وہ اسے وضاحت دینے کی عادی نہیں تھی مگر وہ لہجہ ایسا تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اسے تکلیف میں نہ رکھ سکی۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھائی رہی پھر وہ بولا۔
"تم کب جان چھڑا رہی ہو مجھ سے؟" محراب کو اس سے اس قسم کے سوال کی توقع نہیں تھی تب ہی اس نے اسے قدرے چونک کر دیکھا۔
"تم جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں؟"
وہ چپ رہا مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس وقت اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ اور اداس تھا۔ تب ہی اسے ایک نظر دیکھ کر اس نے سوپ والا باؤل اٹھالیا۔
"چلو اٹھ کر بیٹھو، تھوڑا سوپ پی لو، طبیعت بحال ہو جائے گی۔"
"میرا موڈ نہیں ہے۔"
"پیٹ بھرنے کے لیے موڈ کی نہیں بھوک کی ضرورت ہوتی ہے۔"
"بھوک بھی نہیں ہے۔"
"کیوں؟"
"پتا نہیں۔"
"اس طرح تو تم کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے۔"
"کس طرح۔"
"یوں خود کو بھوکا اور پریشان رکھ کر۔"
"تو کیا کروں جب خواہش نہیں ہے۔"
"تھوڑا سا سوپ پی لو، تمہیں اچھا لگے گا۔" محراب نے کہا اور ساتھ ہی ایک چمچ بھر کر اسے منہ کے قریب کر دیا۔
زارون اس بار اسے منع نہیں کر سکا۔
"کیا بہت پیار کرتے ہو اس لڑکی سے؟" سوپ پلانے کے دوران اس نے پوچھا تو وہ چونکا۔
"کس لڑکی سے؟"
"وہی جس کی محبت میں اس حال کو پہنچے ہو۔" جانے وہ اس کے اندر سے کیا کھوجنا چاہ رہی تھی۔ زارون کی نظریں اس کے شاداب چہرے پر جم گئیں۔
"ہاں بہت پیار کرتا ہوں۔"
"کیا فائدہ...... وہ تو چھوڑ گئی تمہیں۔ اب تم جلو کڑھو، بھوکے رہو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"تمہیں فرق پڑتا ہے؟" اس کے دیکھنے کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔
"ہاں مجھے تو پڑتا ہے، شدید نفرت کے باوجود اس حال میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تمہیں۔"
"کیوں؟"
"بس ضمیر اجازت نہیں دیتا۔"
"دل تو چاہتا ہوگا بدلا لینے کے لیے۔"
"ہاں چاہتا ہے مگر بدلے کی آگ پر اللہ کا خوف غالب آ جاتا ہے۔"
وہ ذہین تھا مگر محراب ہمیشہ اپنے لفظوں سے اسے لاجواب کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ چند لمحے پھر خاموشی کی نذر ہو گئے پھر وہ بولا۔
"تم چاہو تو میں اب تمہیں آزاد کر سکتا ہوں۔"
"کیوں؟" محراب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔
زارون نے کوئی جواب دینے کے بجائے لمبی سرد آہ بھر کر رخ پھیر لیا۔
"تمہارے قابل جو نہیں رہا ہوں اب۔"
"قابل تو پہلے بھی نہیں تھے۔"
"پہلے کی بات اور تھی، اب تو تمہاری حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔"
"ہوں صحیح کہا تم نے مگر میں اب آزاد ہو کر جاؤں گی کہاں؟ کوئی در، کوئی راستہ کھلا چھوڑا ہے تم نے میرے لیے...... میں تو سانس بھی نہیں لے سکتی کھل کر جینا تو بہت دور کی بات ہے۔"

"پھراب؟"
"کچھ نہیں، بس اپنی پروا کرو، ایک معمولی سے حادثے کی وجہ سے تمہیں انسان بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس کے لفظوں میں کڑواہٹ تھی۔ زارون اسے دیکھتا رہ گیا۔
اگلے دوروز کے بعد اسے ہسپتال سے فارغ کردیا گیا تو محراب نے سکھ کی سانس لی۔
غزالہ نے عدالت میں خلع کے لیے کیس دائر کردیا تھا۔ زارون کو خبر ہوئی تو وہ دیر تک ہنستا رہا۔
محراب اس کے کمرے کی صفائی کے لیے آئی تو اس نے اسے اپنے قریب بلاتے ہوئے کہا۔
"بات سنو۔" صفائی کرتے محراب کے ہاتھ رک گئے اور وہ اس کے قریب آکر بولی۔
"ہوں کہو۔"
"اگر میں کبھی ٹھیک نہ ہوسکا تو تم کیا کروگی؟"
"وہی کروں گی جواب کررہی ہوں۔" اس نے دوبدو جواب دیا۔ وہ مسکرادیا۔
"سوچ لو، بہت مشکل سفر ہے۔"
"پہلے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔"
"وہ کیوں؟"
"پہلے ہر وقت اعصاب پر سوار رہتے تھے اب چلو سکون سے ایک ہی کمرے میں تو ٹکے رہتے ہو۔" اس کا جواب ایسا تھا کہ وہ کھل کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔
"اچھا بات سنو۔" وہ ابھی پلٹی تھی کہ اس نے پھر پکارا۔
"اب کیا ہے؟"
"اچھی لگ رہی ہو، بلیک کلر کافی اٹھتا ہے تم پر۔"
"شکریہ......"
"آج سر میں بہت درد ہے، دبادوگی؟"
"اتنا بولتے ہو گلے میں درد نہیں ہوتا؟"
"نہیں......لیکن تم اگر دبانے کی خواہش رکھتی ہو تو تمہیں اجازت ہے۔" وہ کب ہار ماننے والا تھا۔
محراب اسے گھورتی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

❀......☆☆☆......❀

اس رات بہت ٹھنڈ تھی۔ محراب کی اچانک آنکھ کھل گئی۔
کمرے میں نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اس نے زارون کو دیکھا جو جانے کب سے بستر سے خود اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں نڈھال ہورہا تھا۔ وہ فوراً اٹھی۔
"کیا بات ہے، کہیں جانا ہے؟" ڈوپٹے سے بے نیاز قدرے پریشانی سے اس نے پوچھا۔
"ہاں، باہر لان میں جانا چاہ رہا تھا، یہاں کمرے میں دم گھٹ رہا ہے۔" زارون نے کہا۔
"اس وقت......؟" محراب کی نگاہیں کلاک کی جانب اٹھیں۔
"ہاں......"
"چلو میں لے چلتی ہوں۔" سرہانے پڑا ڈوپٹا اٹھا کا سر پر اوڑھتے ہوئے وہ اس کی وہیل چیئر چلاتے ہوئے لان میں لے آئی۔ محراب نے اس کی کسرتی کمر کے گرد بازو ڈال کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔ ساتھ والے کمرے میں مریم بیگم تہجد پڑھ کر سو رہی تھیں۔ دونوں کمروں کے درمیان ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو کھلا رہتا تھا۔
زارون کو وہیل چیئر پر بٹھانے کے بعد وہ لان میں آئی تو تازہ ہوا کے سرد جھونکوں نے اسے بے ساختہ کپکپانے پر مجبور کردیا تھا۔
"صبح ہوسپٹل جانا ہے چیک اپ کے لیے۔"
"ہوں......"
"آئرہ بتا رہی تھی تمہاری بیوی نے خلع کے لیے عدالت میں کیس کردیا ہے۔"
"اسے کس نے بتایا؟"
"پتا نہیں شاید نیوز وغیرہ میں سنا ہوگا۔"
"ہوں۔"
"کیا اسی کی پریشانی ستارہی ہے اس وقت۔"

"کس کی؟" پل میں وہ یوں انجان بن جاتا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔ محراب پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھی۔

"وہی جو خلع کا مطالبہ کررہی ہے۔"

"نہیں۔"

"پھر؟" وہ جاننے پر بضد ہوئی۔ زارون نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر جمائیں۔

"نایاب آئی تھی خواب میں، بہت رو رہی تھی۔" اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ رات کے اس پہر وہ نایاب کے لیے پریشان ہوگا۔

"پچھلے چند روز سے وہ مسلسل خواب میں آرہی ہے، میں بہت زیادہ گلٹ محسوس کررہا ہوں، سچ کہوں تو بہت پچھتاوا ہے، کبھی کبھی خود سے گھن آنے لگتی ہے۔ میرا بالکل بھی ارادہ نہیں تھا اس کی موت پلان کرنے کا مگر صورت حال ہی ایسی بن گئی تھی کہ خود کو بچانے کے لیے اسے موت کے گھاٹ اتارنا پڑا۔" زارون نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... ایسا کیا ہوگیا تھا کہ جیسے چھپانے کے لیے اتنا گر گئے تم؟" وہ ہرٹ ہوئی۔ زارون نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"بہت کچھ ہوگیا تھا۔ ضمیر مردہ ہو تو انسان شیطان کا بھی باپ بن جاتا ہے۔ میرا ضمیر بھی مردہ تھا، اپنی دولت اور مردانگی کے زعم میں کوئی گناہ، گناہ نہیں لگتا مجھے، نایاب کے دل میں میرے لیے کیا تھا مجھے یہ بھی نہیں پتا تھا۔"

"پتا ہوتا بھی کیسے، میں تو شروع سے صرف تمہارے بارے میں سوچتا تھا، میری نظر میں اس تعلق کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی جو بڑوں نے میرے اور نایاب کے درمیان باندھ دیا تھا، اسی لیے یونیورسٹی میں جو لڑکی اچھی لگتی اسی کے پیچھے لگ جاتا تھا۔ آدھی سے زیادہ یونیورسٹی کی لڑکیاں خود میرے پیچھے تھیں۔ غزالہ کا شمار بھی ان ہی لڑکیوں میں تھا۔ نایاب روز یہ سب دیکھتی اور برداشت کرتی مگر مجھے پروا نہیں تھی، مجھے اس کی کسی بھی تکلیف کی پروا نہیں تھی۔ یونیورسٹی میں شروع کے دنوں میں وہ پریشان رہتی مگر میں نے اس کی مدد نہیں کی، غزالہ کے کزن نے ایک روز سب کے سامنے اس کی بے حد بے عزتی کی مگر میں نے اس کا منہ توڑنے کی بجائے سب کے سامنے اس کا تماشا دیکھا، ہمیشہ اپنے رویے سے اس کا دل توڑا اس پر الزام لگائے، اپنی ہر عیاشی کا ملبہ بھی اس پر ڈالا دیا صرف اس لیے کہ میں مرد تھا، مجھے ہر گناہ کی اجازت تھی۔ وہ عورت تھی اور میری نظر میں اسے یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

رات کے اس پہر اس کے چہرے پر جو درد رقم تھا محراب نے اس سے پہلے وہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی اور وہ بولتا رہا۔

"غزالہ کے ساتھ میرے غلط تعلقات کی ساری یونیورسٹی گواہ تھی۔ اس کے باوجود اس روز جب نایاب نے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر حویلی میں سب کو بتانے کی دھمکی دی میں اس کی یہ جرأت برداشت نہ کرسکا۔ غرور و تکبر نے مت ماردی تھی۔ اسی لیے وہ جیسے ہی چھٹی پر حویلی آئی میں نے یہ معاملہ غزالہ کے سامنے رکھا اور غزالہ نے بھی مجھے یہ راہ دکھائی کہ ہمیشہ کی طرح میں اپنا گناہ اس پر ڈال دوں۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے کزن کو راضی کیا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ حویلی میں میرے بارے میں کسی کو کچھ بتاتی، میں نے اور غزالہ نے اس کے کزن اور اپنے دوست صائم کو حویلی بلالیا۔ نایاب جاگ رہی تھی...... حویلی کی اونچی دیواروں اور خوں خوار کتوں سے میں ہی اسے بچا کر نایاب کے کمرے تک لایا تھا۔ میں نے ہی نایاب کے کمرے کی نشاندہی کی تھی، سارا پلان میرا تھا اور ویسے ہی کامیاب رہا جیسے میں نے سوچا تھا۔ حویلی کے بزرگوں کی آنکھوں پر غصے کے طوفان نے پٹی باندھ دی تھی۔ اس وقت وہی دیکھا گیا جو میں انہیں دکھانا چاہتا تھا، وہی سنا گیا جو میں سنانا چاہتا تھا۔ راتوں رات اس کی موت کی فیصلے پر عمل درآمد ہوا اور اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا ایک موقع بھی نہیں ملا۔ میں

تھک گیا ہوں یہ سب سوچ سوچ کر۔ میں ذلت کے گڑھے میں گر گیا ہوں محراب...... مجھے اس کی بددعا لگ گئی۔"

وہ اب آزاد تھا جب اسے دنیا سے گئے بھی مہینوں ہو گئے تھے۔ محراب کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

نایاب کے ساتھ ہوئے ظلم کی کہانی نے اس کے زخم جیسے پھر سے ہرے کر دیئے تھے۔ وہ اکھی اور نفرت سے بھرپور ایک نگاہ اس کے مفلوج وجود پر ڈالتے ہوئے اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ زارون اس کی نفرت بھری نگاہ پر کرب سے لب بھینچتا شدت سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ایک درد پچھتاوے کی صورت دل کے اندر سر اٹھا رہا تھا تو ایک درد نے محبت کی تکلیف کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے باہر کے مکمل وجود کا گھیراؤ کر لیا تھا اب وہ کہاں جاتا؟

سانس تنگ ہو رہی تھی، گھٹن بڑھتی جا رہی تھی مگر اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔

❁......☆☆☆......❁

اگلے روز اس کا چیک اپ تھا مگر وہ اس کے ساتھ ہسپتال نہیں گئی بلکہ اسے آئزہ کے ساتھ ہسپتال بھجوا دیا۔

جس کے آپریشن اور علاج پر اچھا خاصا خرچہ آیا تھا۔ تمام روپیہ محراب نے اس کے اے ٹی ایم سے ادا کیا، اب بھی وہ اس کے اے ٹی ایم سے ہی سارا خرچ کر رہی تھی مگر کب تک؟

زارون کے بھائیوں اور دوستوں نے اس کی طرف سے مکمل آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اتنے دنوں میں کوئی خیریت پوچھنے بھی نہیں آیا تھا، خرچہ اٹھانا تو بہت دور کی بات تھی۔ اسی پریشانی میں الجھی، وہ گھر پر بھی مختلف کاموں میں مصروف اس کی گھر واپسی کا انتظار کرتی رہی۔

شام ڈھل چکی تھی جب وہ آئزہ کے ساتھ واپس آیا تھا۔ بجھا بجھا سا اداس، بے رونق چہرہ...... زندگی سے بے زار خوب صورت آنکھیں محراب نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" زارون کو مکمل نظر انداز کر کے اس نے آئزہ سے، پوچھا۔ جواب میں وہ اپنی وہیل چیئر گھسیٹتا وہاں سے چلا گیا۔

"کچھ نہیں، پہلے سے بہتر ہیں تمہارے شوہر اور وہ جو رپورٹس باہر بھجوائی تھیں ناں ان کا بھی مثبت جواب آیا ہے۔"

"چلو اچھی بات ہے، دوبارہ کب چیک کروانا ہے؟"

"اگلے ہفتے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"کس بات کی؟"

"تمہارے شوہر کی رپورٹس اچھی آئی ہیں یار...... اس کا باہر علاج ہو سکتا ہے اور وہ اپنے پاؤں پر پھر سے چل سکتا ہے۔"

"ہوں بات تو خوشی کی ہے مگر میرا دل خوش نہیں ہے وہ جیئے یا مرے میری بلا سے۔"

"ایسا کیوں؟" آئزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ میری بہن کا قاتل ہے اس لیے۔" محراب نے بتایا۔

"وہاٹ......!" آئزہ کو جیسے شاک لگا۔

محراب نے مختصر لفظوں میں اس کے ظلم کی مکمل کہانی اس کے گوش گزار کر دی۔

"یہ تو بہت برا ہوا یار، ایسے کون کرتا ہے۔"

"زارون عبدالرحیم۔"

"پھر بھی اس کے ساتھ رہ رہی ہو تم۔ سب سے پہلے تو تمہیں اس سے خلع لینی چاہیے۔"

"اس سے کیا ہوگا، وہ بھی رل جائے گا اور میں بھی۔"

"اس کا مطلب ہے تم نے اسے معاف کر دیا۔"

"نہیں معاف نہیں کیا، بس قسمت کے ساتھ سمجھوتہ کیا ہے۔"

"ایسے تو بہت مشکل ہو جائے گی یار...... زندگی ایسے

بسر نہیں ہوتی۔"
"زندگی بسر کرنے کی خواہش اب رہی بھی نہیں۔"
پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پلکوں پر آئی نمی صاف کی۔ آئرہ چند لمحوں تک کچھ نہ بول سکی۔ تب ہی اس نے پوچھا۔
"تم اس روز کسی جاب کا ذکر کر رہی تھیں۔"
"میرے انکل کی فیملی ہے، بہت اچھے انسان ہیں۔"
"نہیں کبھی نہیں، بس انکل ریٹائرڈ کرنل ہیں، ایک بیٹی تھی اس کی شادی ہوگئی۔"
"اس سے چھوٹا ایک بیٹا ہے اس نے کسی عیسائی عورت سے جرمنی میں شادی کرلی، کچھ عرصہ یہ میاں، بیوی کا رشتہ قائم رہا پھر دونوں میں علیحدگی ہوگی۔ اب وہ صاحب زادے پاکستان واپس آرہے ہیں تو انکل چاہتے ہیں کہ اس کے آنے سے پہلے انہیں کوئی اچھی کک مل جائے تاکہ گھر کا نظام چل سکے۔"
"ہوں تنخواہ کتنی ہوگی؟"
"یہ تو نہیں پتا لیکن پچیس تیس سے اوپر ہی ہوگی۔"
"بیٹا کیسا ہے ان کا؟"
"بہت کھڑوس ہے، حسین سے حسین لڑکی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔"
"تو پھر تم بات کرو ناں اپنے انکل سے میرے لیے۔"
"کرلوں گی...... تم پہلے آنٹی سے بات کرلو، انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"
"نہیں وہ اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"
"ٹھیک ہے...... میں کل ہی انکل سے مل کر ساری بات کرلوں گی۔"
"بہت شکریہ آئرہ...... تمہارے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔"
"بس جانے دو، اب چلتی ہوں میں...... ان شاء اللہ صبح بات ہوگی۔"
"ٹھیک ہے، بہت شکریہ۔" آئرہ اسی وقت چلی گئی۔

رات کے کھانے کے دوران محراب نے مریم بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
"امی ایک بات کرنی ہے آپ سے۔"
"ہوں......" کھانا کھاتے ہوئے ہاتھ روک کر انہوں نے محراب کی جانب دیکھا۔
"میں جاب کرنا چاہتی ہوں کسی کے گھر بس چند گھنٹوں کے لیے کھانا پکانا ہے۔" محراب نے امی کو جاب کے متعلق بتایا۔
"کیوں؟"
"ضرورت ہے امی...... زارون کے آپریشن پر بہت پیسے لگے ہیں، علاج بھی چل رہا ہے، اسے باہر بھی بھیجنا ہے پھر آپ بھی بیمار رہتی ہیں، آپ کی بھی خوراک اور دوائیوں کے لیے پیسے چاہیں۔ زارون کے اکاونٹ میں اب زیادہ پیسے نہیں ہیں، آج نہیں تو کل مجھے یہ کرنا ہی ہے۔"
"ہمارے خاندان میں آج تک ایسا کسی نے نہیں کیا بیٹا اور پھر زارون کو پتا چل گیا تو ویسے بھی جان لے لے گا تمہاری۔"
"اب وہ جان لینے کی پوزیشن میں نہیں رہا امی...... ویسے بھی مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔"
"ایسا مت کہو، اب جیسا بھی ہے، تمہارا شوہر ہے وہ۔" انہوں نے محراب کو سمجھانا چاہا۔
"وہ میری بہن کا قاتل ہے امی...... میں ساری عمر اس کا یہ گناہ معاف نہیں کرسکتی۔"
"میں جانتی ہوں مگر وہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے، جس نے دنیا میں جو بھی اچھا برا کیا اس کا حساب اسے آخرت میں اللہ کو دینا ہے۔ تم اپنا اور اس کا رشتہ دیکھو...... تمہاری اس کی وجہ سے کوئی پکڑ نہ ہو میری بچی۔" محراب کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔
رات کو محراب کمرے میں آئی تو زارون جاگ رہا تھا۔ اس نے اس کے حصے کا کھانا اس کے قریب ہی رکھی میز پر

رکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا کھالو، دوا لینی ہے تمہیں۔"

"بھوک نہیں ہے مجھے۔" بہت مدہم لہجے میں اس نے اسے جواب دیا۔

"بھوک نہیں بھی ہے تب بھی کھالو، دوا لینی ہے تمہیں، نہیں لو گے تو زخم کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔"

"کوئی پروا نہیں۔"

"ہاں تمہیں کیوں پروا ہونے لگی۔ مزے سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز جو مل رہی ہے، جب تک چلتے پھرتے تھے ناک میں دم کیے رکھا، اب اپاہج ہو کر بیٹھ گئے ہو تو میری زندگی زیادہ مشکل کر دی ہے۔ آخر چاہتے کیا ہو تم؟" محراب تلخ لہجے میں بولی۔ زارون کا چہرہ غصے سرخ ہوا۔

"چپ ہو جاؤ، چلاتی ہوئی عورتیں پسند نہیں ہیں مجھے۔"

"تمہاری پسند مائی فٹ۔" اس کا لہجہ مزید سخت ہوا۔ زارون نے چپ سادھ لی۔

"تمہارے بینک اکاؤنٹ میں اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں ساری عمر گھر بیٹھ کر تمہاری دیکھ بھال کرتی رہوں، پہلے دن سے اب تک جتنے بھی پیسے تمہارے علاج پر لگے ہیں سب تمہارے اے ٹی ایم سے نکلے ہیں، ڈاکٹر فرحت نے تمہاری جو رپورٹس باہر بھجوائی تھیں ان کا رزلٹ بھی مثبت آیا ہے اگر تم علاج کے لیے باہر جاتے ہو تو بہت بڑی رقم کا تمہارے پاس محفوظ ہونا ضروری ہے بتاؤ کیا کروں میں؟ کس سے جا کر بھیک مانگوں تمہارے لیے۔" اس نے بہ مشکل اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

زارون نے چند پل اسے خاصی توجہ سے دیکھا پھر پاس بلالیا۔

"ادھر آؤ میرے پاس۔"

اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ وہ شدید کشمکش کی شکار ہونے کے باوجود اٹھ کر پاس چلی آئی۔

زارون نے اس کے پاس چلے آنے پر ہاتھ بڑھا کر کسی قیمتی متاع کی طرح اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔

"زندہ ہوں میں ابھی...... مفلوج ہوا ہوں مرا نہیں ہوں جو اتنی مایوس ہو گئی ہو تم زندگی سے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ محراب کا دل بے ساختہ پوری شدت سے دھڑک اٹھا۔

"تم کیا کر سکتے ہو اب؟"

"بہت کچھ کر سکتا ہوں اب بھی، بس تم میرا ساتھ نہیں چھوڑنا پلیز۔"

"مجھے تم سے نفرت ہے زارون۔"

"کوئی بات نہیں...... تمہاری اس نفرت کو محبت میں بدل دوں گا میں۔"

"مجھے تمہاری محبت کی ضرورت نہیں ہے۔" بے زاری سے کہتے ہوئے وہ اس سے الگ ہوئی مگر زارون نے اس کا آنچل پکڑ لیا۔

"مجھے تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا گمبھیر تھا۔ محراب لب بھینچ کر رہ گئی۔

"دیکھو باہر کتنی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے، ابھی معذور نہ ہوتا تو تمہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کر باہر لان میں لے جاتا، ہم دیر تک واک کرتے مگر فی الحال یہ ممکن نہیں ہے تو ایسا کرو پلیز تم یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ...... تم دھیرے دھیرے میرے بالوں میں انگلیاں چلاؤ، مجھے نیند آجائے گی محراب۔" لجاجت سے اس کے ہاتھ تھامے وہ کتنی منت سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں، پلیز۔" اس کا ہاتھ تنفر سے جھٹکتی وہ اس کے پاس سے اٹھ کر بیڈ کی دوسری جانب آ گئی۔

زارون اس کی اس درجہ بے اعتنائی پر محض بت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

دھی رانی

حنا بشریٰ

دن تمہارا ہے شب تمہاری ہے
عمر جتنی ہے سب تمہاری ہے
کیوں نہ رشک اپنی زندگی پر کروں
پہلے میری تھی، اب تمہاری ہے

دماغ کے سمندر میں دیوانی لہروں کی طرح بل کھاتی سوچیں...... کروٹوں کا لامتناہی سلسلہ...... اور دائیں ہاتھ کی مخملیں دودھیا کلائی پہ اس جادوئی لمس کی تاثیر...... اسے نیند کی وادی میں اترنے ہی نہ دے رہی تھی۔ آنکھیں موندے وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اپنی ان کیفیات سے جھگڑتی عاجز آنے لگی تھی۔ بدن کا جوڑ جوڑ دکھتا اب جیسے دہائیاں دینے لگا تھا...... مگر وہ کیا کرتی؟ وہ تو بے بس تھی، مجبور تھی، مگر اس بے بسی و مجبوری میں بھی اک سرور تھا، مزہ تھا خمار تھا کہ ہر درد، تھکاوٹ سے بے پرواہ بس وہ ایک تصور کو آنکھوں میں لیے بس سوچے چلے جا رہی تھی۔ اسی سرور بھری کیفیات میں غرق وہ نا جانے کس سندر جہاں میں تھی کہ ایک صدا مخل ہوئی...... اور اس سرور، خمار اور مزے کا جادو جیسے اس صدا نے توڑ ڈالا۔

"دھی رانی......"

"آئی ابا......" اب فکر تھی اس کملی کو صرف دوپٹے...... جوتی اور باہر تیزی سے نکلنے کی۔

☆......☆......☆

"سو گئی تھی دھی رانی؟" رحمت علی اسے "دھی رانی" کہہ کر ہی پکارا کرتا تھا۔ نام تو اس کا ریشم تھا مگر وہ رحمت علی کی "دھی رانی" تھی...... کبھی پیار سے تو کبھی لاڈ سے اپنی لاڈلی کو پکارتا تو 'دھی رانی' ہی کہتا...... اس کا اصلی نام تو جیسے رحمت علی کو یاد ہی نہیں رہتا تھا۔

"ابھی کہاں ابا؟" روز کی نسبت لہجہ کتنا بوجھل و بیزار...... آواز تھکاوٹ کی غماز اور الفاظ میں سمائی دنیا جہاں کی بیزاری جو رحمت علی سے مخفی نہ رہ سکی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے دھی رانی؟" وہ رحمت علی ہی کی اجو اپنی "دھی رانی" کی کسی اندرونی یا بیرونی کیفیت کیا تار چڑھاؤ کو نظر انداز کر جائے۔ نہ آج بیٹی کے انداز میں روز والا جوش و خروش تھا اور نہ ہی آواز میں خوشی جو باپ کی آمد پہ ہوتی تھی۔

"تشویش تو واجب تھی ناں۔"

"ہاں ابا طبیعت کو کیا ہونا ہے میری۔" بیزار انداز میں دیا گیا جواب رحمت علی کو بری طرح سے چونکا گیا...... اور نہ صرف یہ بلکہ آج تو اور بھی بہت سی دوسری باتوں نے جو معمول سے ہٹ کر ہوئی تھیں...... رحمت علی کو چونکایا کہ دل اندیشوں میں آ گھرا۔

نہ آج دھی رانی نے محبت سے ابا کے سر سے پگڑی اتار کر سرہانے پہ رکھی۔ نہ ہی دائیں کندھے پہ پڑا سفید ململ

یار۔"

"جتنا بھی فاسٹ دور چلا جائے ہمارے گھرانوں کی روایات پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔"

"چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں اس کا حل بھی جلد ہی نکال لیں گے اب فی الحال آنٹی کو لے کر چلو، شاید انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

محراب اثبات میں سر ہلاتی گاڑی سے اتر گئی۔

مریم بیگم اب تک خاموش تماشائی بنی گاڑی میں یوں بیٹھی تھیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو۔ محراب نے ان کی جانب کا دروازہ کھول کر انہیں گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔

"چلیں امی......" [illegible] راستے اس دیوہیکل بنگلے میں داخل ہونے سے خوف نہیں آرہا تھا۔

مریم بیگم اس کی ہدایت پر چپ چاپ آگے بڑھ گئیں۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"کیا ہوا، اداس ہیں؟" انہیں تنہا سوچوں میں گم بیٹھی دیکھ کر وہ بولی۔ مریم بیگم نے آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہلکے سے اس کا گال چھوا۔

"نہیں بیٹا۔"

"جھوٹ مت بولیں...... میں سب جانتی ہوں، آپ کے لیے ابو اور نایاب کو پیچھے چھوڑ کر آنا آسان نہیں تھا۔"

"ہاں...... مگر تمہیں چھوڑ دینا بھی آسان نہیں تھا۔"

"ہم ایک دوسرے کے ساتھ یہاں خوش رہیں گے امی۔"

"ہوں......" محراب کے ہاتھ تھامنے پر وہ محض سر ہلا گئیں۔

"چلیں اب آپ کچھ دیر آرام کرلیں...... میں آئرہ سے کہہ دیتی ہوں میری غیر موجودگی میں وہ آپ کے پاس آجائے گی۔"

"تم کہیں جارہی ہو کیا؟"

میں ایسا دیوانہ ہوا کہ پورے گاؤں کا منہ میٹھا کروا ڈالا۔
''او جھلے بیٹی پہ کون مٹھائیاں بانٹتا ہے۔'' لوگ اس کی دیوانگی کی ہنسی اڑاتے۔
''کیوں نہ خوشیاں مناؤں...... میرے گھر رب نے اپنی رحمت بھیجی ہے۔'' دس سال کے بعد ریشم کی پیدائش نے رحمت علی کی بھیگی آنکھوں کو خشک کیا تھا' وہ بھلا کیسے خوش نہ ہوتا...... اس کے لیے تو بیٹے بھی بیٹے کے برابر تھی۔ ریشم اس کے دل کا ٹکڑا تھی...... اس کی آنکھوں کا نور...... اس کی روح تھی' جان تھی...... اسے اپنی بیٹی سے عشق تھا...... ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا۔
''بیٹیوں کو بھلا کون اتنا پیار کرتا ہے......؟'' محبتوں کا والہانہ پن بیٹی کے ساتھ دیکھ کر اعتراض کرنے والے کوئی نہ کوئی اعتراض نکال ہی لیتے...... یہ اعتراض کرنے والے اس سوچ کے تھے کہ۔
''بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔''
''بیٹی کبھی بھی بیٹے کے برابر نہیں ہو سکتی۔''
اور کچھ کہنے والے تو یہ بھی کہتے کہ جنہوں نے بیٹیوں کو تن من سے دیوانوں کی طرح محبت دی...... ہمیشہ دکھ اور صدمہ ہی ان کی طرف سے اٹھایا۔
رحمت علی ان باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔
ریشم کے بعد اس کی کوئی اولاد نہ ہوئی تو ساری محبتیں' ساری چاہتیں ایک باپ کی اس کے گرد ہی جمع ہو کر شدتوں کی شکل اختیار کر گئی۔

☆......☆......☆

''دھی رانی'' رحمت علی کے دن کا آغاز اسی نام سے ہوتا تھا...... اسے اپنی بیٹی سے عشق تھا' تو کم محبت ریشم بھی نہیں کرتی تھی وہ باپ کی روح تھی' تو باپ بھی اس کا قلب بنا سینے میں ہر دم دھڑکتا رہتا تھا۔
''دھی رانی کو ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی۔'' وہ اپنی رضائی بھی بیٹی پہ ڈال دیتا تھا۔
''دھی رانی کو بھوک تو نہیں لگی!'' آدھی رات کو یہ فکر رحمت علی کو نیند سے جگا دیتی۔
''کہیں میری دھی رانی کی طبیعت تو خراب نہیں!'' ذرا سی گرمائش بیٹ کے بدن میں محسوس کر کے رحمت علی کی فکر کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی ہاتھ تو کبھی گردن پر اپنا ہاتھ رکھتا کہ کہیں بیٹی کو تاپ تو نہیں چڑھ گیا...... پوری رات فکر میں جاگ کر گزرتی۔
اپنے منہ کا نوالہ پہلے بیٹی کے منہ میں ڈالتا پھر کہیں جا کر اسے کھانا ہضم ہوتا۔ صبح سویرے چھ سالہ ریشم کو گود میں اٹھا کر دودھ لینے والے کی طرف چل پڑتا تو تازہ دودھ کا پہلا گلاس بھر کر بیٹی کو پلاتا۔
''او جھلیا اپنی محبت نہ کر دھی سے کہ کل کو دکھ اٹھائے۔'' گوالا شاید اپنی زندگی کا کوئی تلخ تجربہ بتا کر رحمت علی کی دیوانگی کو اعتدال میں لانے کی کوشش کرتا مگر رحمت علی بھلا کسی کی سنتا ہی کب تھا۔
''کل آؤں گا...... صبح کی پہلی تازہ دھار کا دودھ میری دھی رانی کے لیے رکھنا۔'' رحمت علی بات ان سنی کرتا آگے بڑھ جاتا۔
''چل آ میں اپنی دھی رانی کو میلے کی سیر کروا کر لاؤں۔'' اور پھر کندھے پہ بیٹی کو بٹھا کر گھنٹوں پیدل چل کر میلے کی سیر کرواتا اور وہ چیز پہ انگلی رکھتی جاتی رحمت علی خریدتا جاتا کہ گٹھڑی بھر جاتی۔ چوڑیاں' مالا' پراندے' کنگھی' شیشہ اور کھلونے تو اتنے خریدے جاتے کہ گٹھڑی کا وزن دو کے برابر ہو جاتا۔ اب دائیں طرف دھی رانی بیٹھی ہوتی اور بائیں طرف گٹھڑی ہوتی رحمت علی کی پھولی ہوئی سانس بتا دیتی کہ وہ ہانپ گیا ہے۔
''ابا میں پیدل چل لیتی ہوں تو تھک گیا ہوگا۔'' مگر رحمت علی کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی لاڈلی پیدل چلے۔
''او نہ میری دھی رانی۔'' پھولی بے ترتیب سانسیں رحمت علی کی محبتوں کا اظہار کرتیں۔
''یہ سارا وزن تو گٹھڑی کا ہے...... میری دھی رانی تو پھل (پھول) جیسے ہلکی ہے۔''

☆......☆......☆

ریشم سولہ سال کی ہوگئی تھی، اس کی ماں حاجرہ سمیت سب کی رائے تھی کہ رحمت علی بیٹی کو بیاہ دے...... مگر رحمت علی کو بیٹی کو رخصت کرنے کی کوئی جلدی نہ تھی وہ اسے پڑھانا چاہتا تھا، اور ریشم کو بھی پڑھنے کا بہت شوق تھا...... گاؤں میں ایک سرکاری اسکول تھا...... بیٹی کے شوق دیکھتے ہوئے رحمت علی نے اسے داخل کروادیا تھا، تعلیمی مدارج کامیابی سے طے کرتی ریشم دسویں جماعت میں آ گئی تھی کہ پھر...... زندگی میں "وہ" آ گیا جس کے آنے سے اسے یوسف کی زلیخا...... پنوں کی سسی، رانجھے کی ہیر اور ماہینوال کی سوہنی بنادیا تھا...... وہ جس کے آنے سے دل دو حصوں میں بٹا کہ ایک حصے میں باپ کی محبت اور دوسرے حصے میں اس کی محبت آ گئی۔ جس کے آنے سے ریشم کی زندگی میں بہار آ گئی تھی...... وہ اسکول ماسٹر کا بیٹا مراد تھا۔ جو چودھویں جماعت میں شہر میں زیر تعلیم تھا۔ وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں گاؤں آیا تھا...... شہر کا پڑھا لکھا "بابو تھا...... انگریزی پہ بھی عبور حاصل تھا۔ سو گاؤں کی بہت سی لڑکیوں نے ان تین مہینے کی چھٹیوں میں اس سے انگریزی میں مدد لینے کی لیے ٹیوشن پڑھنا شروع کردی تو انہی میں خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے ریشم بھی شامل ہوگئی۔

مراد ایسا گھبرو جوان تھا کہ اسے دیکھتے ہی ریشم پہلی نظر میں دل ہار گئی...... محبت نے اسے رانجھا بنایا تو وہ اس رانجھے کے ہونٹوں سے لگی محبت کے سر بکھیرتی "ونجلی" کا روپ دھار گئی...... وہ اس کے دل ودماغ پہ یوں سوار ہوا کہ جیسے شام ڈھلے وہ بھول کر کسی گھنے بیری و برگد کے درخت تلے گزری اور کوئی آسیب اسے چمٹ گیا...... یہ سب چڑچڑاہٹیں اور بے زاریاں جو رحمت علی کے دل نے ابھی محسوس کی تھیں...... ان کی وجہ جو ابھی اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی وہ وجہ یہ تھی...... محبت کا سایہ وآسیب!

☆......☆......☆

"دھی رانی میں شہر جارہا ہوں...... کچھ لاؤں تیرے لیے......" رحمت علی کی شروع سے عادت تھی کہ جب بھی کسی کام سے شہر جاتا تو اپنی لاڈلی سے ضرور پوچھتا۔

"ریشم بھی بڑھ چڑھ کر دس پندرہ چیزیں بتادیتی...... تو ماں جھڑکتی......!

"کبھی دیکھ بھی لیا کر کہ باپ کی جیب میں پیسے تھوڑے ہیں یا زیادہ۔" اور ماں کی جھڑکی کے سامنے رحمت علی ڈھال بن جاتا۔

"میرا جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے...... اسے نہ روکا کر......" ریشم کے پیدا ہونے کے بعد رحمت علی کے گھر بڑی خوشحالی آ گئی تھی۔ رحمت علی کا کہنا تھا کہ یہ میری بیٹی کا روشن اونچا نصیب ہے۔

"نہیں ابا...... مجھے کچھ نہیں منگوانا شہر......" بظاہر کتاب کھولے وہ کسی اور جہاں میں کھوئی نظر آئی...... وہ جہاں کونسا تھا باپ کی نظروں سے البتہ ابھی اوجھل تھا...... بہرحال آنکھیں جو دیکھ رہی تھیں کہ دھی رانی کی طبیعت میں بڑا بدلاؤ آ گیا ہے...... نہ وہ پہلے کی طرح ہنستی بولتی تھی اور نہ ہی چڑیوں کی طرح چہکتی تھی...... نہ باپ کے سامنے فرمائشوں کے ڈھیر لگاتی تھی؛ بلکہ ابا تو رحمت علی سے باتیں بھی کم کرتی تھی...... سب سے بڑا بدلاؤ جو اس کی ذات میں آیا تھا...... وہ یہ تھا کہ اب باپ کے کام بھی بڑی بے دلی سے کرتی تھی۔ نہ اب اسے ابا کی تھکاوٹ کا خیال ہوتا تھا...... نہ ہی درد سے دکھتا بدن باپ کا دبانا یاد رہتا تھا...... نہ اسے یہ یاد رہتا تھا کہ ابا نے دوا وقت پہ کھائی ہے یا نہیں...... کھانا بھی ماں کے کہنے پہ بے دلی کے ساتھ سامنے رکھ دیتی...... ورنہ اس کا تو یہ طریقہ تھا کہ پہلا نوالہ وہ اپنے ہاتھ سے باپ کے منہ میں ڈالا کرتی تھی، اور حاجرہ باپ بیٹی کی محبتوں کا یہ اظہار دیکھ کر مسکرا کر نظر تیزی سے ہٹالیا کرتی تھی...... کہ کہیں ان دونوں کی محبت کو اس کی پیار کی نظر نہ لگ جائے۔

"دھی رانی کھانا نہیں کھائے گی آج میرے ساتھ۔"

"ابا مجھے پڑھنا ہے...... امتحان سر پر ہیں۔"

اور اندیشوں میں گھرا باپ کا دل لفظ "امتحان" پہ ایسا الجھتا کہ بھوک ہی مرجاتی...... پتہ نہیں کونسا امتحان تھا جو زندگی لینے کا اشارہ دیتی جیسے ہوشیار کررہی تھی...... بہرحال

دھی رانی بدل رہی تھی...... آخر کیوں؟ رحمت علی کی آنکھ رات کے آخری پہر پریشانی سے کھل جاتی تو پھر ساری رات جاگ کر گزرتی۔

☆......◐......☆

گاؤں کے اسکول میں ہی شام کے وقت انگریزی سیکھنے کی کلاس لگا کرتی تھی' اسکول کے کشادہ کمرے میں بیس سے پچیس لڑکیاں آتی تھیں...... ان میں ریشم بھی شامل تھی۔ سہمی گھبرائی مراد کے سامنے شرم وحیاء کے مارے گلنار ہوتی جارہی ہوتی...... گھنیری پلکیں حیاء کا بوجھ اٹھانے سے جیسے قاصر ہوتی تھیں...... اونچا لمبا' سجیلا وہ گاؤں کے لڑکوں سے بالکل الگ تھا' شاید سب سے منفرد...... بات کرتا تو کتنی تہذیب کے ساتھ' شائستہ لب ولہجہ اس کی شخصیت بے حد نمایاں کر دیتا تھا' اس کے لمس کا اثر تو ریشم کی موی کلائی پہ جیسے نشان چھوڑ گیا تھا۔

شروع میں حاجرہ (ماں) کو اعتراض تھا کہ ریشم اس جوان لڑکے سے انگریزی پڑھنے ٹیوشن جائے' ماں کا دل گھبراتا تھا کہ جوان لڑکا استاد اور کم عمر جوان لڑکیاں اس کی شاگرد...... اور انہی میں شامل ان کی ریشم...... گاؤں کے سرکاری اسکول میں بس ہیڈ ماسٹر ہی مرد تھا' استانیاں تو سب عورتیں تھیں' سو حاجرہ کا دل مطمئن رہتا تھا۔

''اوویم (وہم) نہ پال ایویں پلیئے لوکے' یہ رحمت علی کا کہنا تھا۔

''کوئی وہاں کلی (اکیلی) ہماری دھی رانی تو نہیں ہوتی نا۔'' رحمت کے لیے یہ کوئی ایسی فکر مندی والی بات نہ تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ ریشم کے علاوہ وہاں اور بھی لڑکیاں آتی ہیں۔

''او ویسے بھی مجھے اپنی دھی رانی پہ پورا بھروسہ ہے۔'' دروازے کے پٹ کے ساتھ لگی چھپکے سے ماں باپ کی باتیں سنتی ریشم کے دل میں رحمت علی کی بات سوئی نہیں چبھی تھی۔

''او اندھا یقین کرتا ہوں میں دھی رانی پہ۔'' کسی نے دل میں زور سے چٹکی بھری تھی کہ ریشم کے دل کا چور اندر ہی اندر گھبرا کر منہ کپڑے دے ڈھانپ کر رخ دوسری طرف پھیر کے بیٹھ گیا۔ ریشم کا دماغ گھبراہٹ کے قابو میں بے اختیار آ گیا تھا' کہ دائیں ہاتھ کی کلائی پہ وہ طلسماتی لمس گویا کلائی کو جھلساتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆......◐......☆

''مجھے اچھی اور پیاری لگتی ہو تم......'' پہلی بار اس ''جادوگر'' نے اپنا جادو ان الفاظ میں جگیا کہ ریشم کا روم روم بیقرار و بے چین ہو کر مچل گیا۔

''تم ان سب لڑکیوں سے بالکل الگ ہو۔'' ٹیوشن کا وقت ختم ہو گیا تھا' آہستہ آہستہ کمرہ جماعت خالی ہونے لگا تھا' لڑکیاں ایک کے بعد ایک جا چکی تھیں' سب سے آخر میں ریشم رہ گئی تھی' وہ کمرہ جماعت سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اس کی ریشم سی نرم وملائم کلائی مراد کی مضبوط گرفت میں آ گئی...... اس لمس کی تپش وحرارت ریشم کو اپنی موی کلائی پہ آگ کی تپش سی محسوس ہوئی کہ اپنا پورا وجود موم بنا پگھلتا ہوا لگنے لگا تھا...... گھبراہٹ نے گلابی رنگت کو جیسے شام کے وقت چھائی افق کی سرخی کا رنگ دے دیا تھا۔ وہ بمشکل کلائی چھڑا کر بھاگی' مگر گھر کی چوکھٹ تک پہنچتے موم بن کر یوں پگھلی اور وہیں بکھر گئی۔

''یہ پہلی دفعہ تھا...... اور پھر یہ معمول بن گیا' مراد تنہائی کا جیسے منتظر رہتا تھا' کبھی موقع مل جاتا تو جذبات کا اظہار لفظوں میں کرتے اپنی بیقراریوں کا حال ریشم کو بتا کر بیتاب کر دیتا...... اور اگر کبھی موقع نہ میسر آتا تو کوئی رقعہ اس کی مٹھی میں چپکے سے تھما کر اس کو جیسے پتھر کر دیتا۔

''جواب کا منتظر رہوں گا۔''

وہ گھر کے کسی کونے کھدرے میں اماں ابا سے چھپ کر دھڑکتے دل کی ساتھ یہ پیغام محبت پڑھتی' تو دل کے اندر چور...... چور کا شور طوفان برپا کر دیتا۔

یہ رہی تو اس کے اندر دبے پاؤں گھس آیا تھا' جس نے اسے بھی ''چور'' بنا دیا تھا۔

''یہ دھوکہ نہیں ابا کے بھروسے کے ساتھ؟''

کوئی اندر سے جیسے اسے یہ سبق یاد دلاتا' جو نیا سبق یاد

کرنے کی وجہ سے پرانا اب بھولنے لگی تھی...... اب تو بس اسے مراد کا پڑھایا سبق یاد رہنے لگا تھا...... اور وہ سبق تھا ”سوہنی بنی گھڑے کے سہارے تیرتی بس ہر روز ہر رکاوٹ توڑتی بس آن ملا کر۔

☆......☾......☆

ابا کے کمرے سے آتی جانی پہچانی آوازیں سماعتوں میں اتریں تو دوپٹہ سنبھالتی ریشم ان آوازوں کی سمت بڑھی۔

”بس ریشم دسویں پاس کرلے تو میری امانت میرے حوالے کردے رحمت علی!“ یہ حکمیہ مگر محبت بھرا انداز ریشم کے تایا کا تھا جس نے ریشم کو بچپن میں ہی اپنی پتر دلاور کے لیے مانگ لیا تھا چاہتا تو دل وجان سے دلاور بھی ریشم کو بہت تھا بس کبھی اظہار محبت کرنے میں مردانہ بے باکی اور جرات کا سہارا نہیں لیا تھا...... اور نہ ہی اسے ایسا کرنا پسند تھا جبکہ مراد سے ملنے کے بعد اس کی محبت کے دریا میں غرق ہونے کے بعد ریشم کو یہ بے باکی...... یہ جرات...... یہ ہمت...... کہ دل کی ہر بات بے دھڑک کہہ دی جائے اچھی لگنے لگی تھی۔

”آ میری دھی ادھر آ کر میرے پاس بیٹھ۔“ تایا کے ساتھ تائی بھی آئی تھیں...... وہ دونوں ہی ریشم پہ فدا تھے۔ ان کا ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا۔ بیٹی کوئی تھی نہیں...... انہیں ایسی لڑکی چاہیے تھی جو بہو بھی ہو اور بیٹی بھی۔

”ابھی نکی ہے دھی رانی......“ تایا ہزار ہزار کے چار چھ نوٹ ریشم کے ہاتھ پہ رکھ جاتے...... گویا یہ رحمت علی کو اس کا وعدہ یاد دلائے رکھنے کا انداز تھا...... اس بار بھی انہوں نے ایسا کیا تو متفکر رحمت علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی...... اکلوتی دھی (بیٹی) کو خود سے ہمیشہ کے لیے دور بھیجنے کا ابھی شاید باپ کے دل کو حوصلہ نہ تھا۔

”رحمت پائی (بھائی) اتنی عمر میں تو میرا ویاہ ہوگیا تھا۔“ تایا اور تائی کے درمیان ریشم بیٹھی گھبرا رہی تھی تائی نے اس کے پیشانی چومتے ہوئے محبت سے کہا...... مطلب کہ وہ اپنے طور پر یہ بس چار چھ ماہ کا وقت دے رہے تھے۔ جو تیاری کرنی ہے کرلو...... ہم مقررہ وقت پہ آ کر اپنی ریشم کو بیاہ کرلے جائیں گے۔

”تو گھبرا نہ رحمتے شہزادیوں کی طرح رہے گی ریشم میرے گھر۔“

مزید گھبراہٹ نے ریشم کو وہاں بیٹھنے نہ دیا...... تو اٹھ کر باہر کی طرف بھاگی۔

اور ہانپتی کانپتی صحن کے بیچ و بیچ گہرے کنویں کی منڈیر سے آ لگی۔ اور اندر جھانکنے لگی۔

”میں تو مر جاؤں گی مراد کے بغیر۔“

دل نے تو فیصلہ دے دیا تھا...... مگر ابھی مراد نے اپنے کسی فیصلے کا اظہار کھل کر نہیں کیا تھا۔

☆......☾......☆

مراد سے پڑھتے ڈیڑھ ماہ ہوگئے تھے...... باقی ڈیڑھ ماہ کا عرصہ اور رہ گیا تھا...... ٹیوشن کی لڑکیاں ماسٹر مراد سے اکثر پوچھتی تھیں...... کہ وہ ڈیڑھ ماہ کے بعد یہیں گاؤں میں رہے گا یا شہر چلا جائے گا۔

”شہر چلا جاؤں گا۔“

اور اس کے جواب پہ ریشم کا دل شام کے اداس سورج کی طرح ڈوبنے لگتا تھا...... اگر یوں جانا ہی تھا تو پھر یہ عشق کا کھیل شروع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ریشم کی آنکھیں بھر جاتیں...... کہ کتاب پہ لکھا لفظ پڑھنا عذاب ہو جاتا...... مراد شاید اس کی حالت سے واقف تھا۔ پڑھاتا وہ ساری کلاس کو رہا ہوتا مگر دھیان سارا ریشم پر ہوتا تھا۔

”آج کلاس کے بعد جلدی نہ جانا۔“ وہ قلم پکڑ کر سمجھانے کے انداز میں جھکتا اور کاپی پہ لکھ کر ریشم کی بھیگی آنکھوں کو گویا اپنے ہاتھوں سے خشک کر دیتا۔

”اس سب کا مقصد مراد......؟“ اب تو کلاس کی کچھ لڑکیاں بھی مراد اور ریشم کے درمیان اس چکر سے واقف ہونے لگی تھیں۔

مراد کا بار بار ریشم کی کرسی کے گرد طواف کلاس کی چلتر لڑکیوں کو معنی خیز لگنے لگا تھا...... اور اکثر تو اس بارے میں ریشم سے کردنے بھی لگی تھیں۔ وہ تو ہر بار ریشم جھوٹ بول

کرنٹال دیا کرتی تھی...... مگر ایسی باتیں بھلا کہاں چھپتی ہیں...... کلاس کی لڑکیاں یہ قصہ گھروں میں بھی سناتی ہوں گی...... ایک گھر سے دوسرے گھر...... دوسرے گھر سے تیسرے گھر...... اور پھر پہنچتے پہنچتے یہ خبر رحمت علی کے گھر تک...... یہ سوچ کر ریشم کا دل خوف سے بیٹھنے لگتا۔

"چاہتا ہوں تمہیں......" انداز بڑا مستحکم سا تھا۔

"اور......؟"

"اور کیا مطلب؟"

"شادی......" اس بار استحکام ریشم کے سوال میں تھا۔

"پگلی......" وہ باآواز بلند قہقہہ لگاتا...... تو ریشم کی آنکھیں پھر سے پانی سے بھرنے لگتی...... کیا مطلب تھا اس "قہقہے" کا...... اور اس لفظ "پگلی" کا...... وہ گاؤں کی سادہ اور سیدھی طبیعت کی لڑکی نہ سمجھ پائی تھی۔

☆......☾......☆

آسمان پہ سیاہ گھٹائیں چھائی تھیں...... مینہ اب برسے کہ تب برسے......!

"ہمیں تیرے ویاہ کی کوئی چھیتی نہیں دھی رانی......"

گزشتہ شب ریشم نے ماں سے اپنی دل کی بات کہی تھی کہ اسے ابھی شادی نہیں کرنی...... اور حاجرہ نے یہ بات رحمت علی تک پہنچادی تھی...... جلدی تو رحمت علی کو بھی نہیں تھی۔ بیٹی کو بیاہنے کی...... وہ تو سوچ کر ہی لرز اٹھتا تھا کہ اس کے جگر کا ٹکڑا اس سے دور چلا جائے...... وہ جو صبح ہوتے ہی جس چہرے کو سب سے پہلے دیکھتا تھا' پھر اسے مہینوں دیکھے بنا کیسے گزریں گے...... رحمت علی نے اسے تسلی دی...... تو دل کو کچھ حوصلہ ہوا...... اس کی سوچ تھی کہ اس دوران مراد آ کر ابا سے اس کا ہاتھ مانگ لے...... آج اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مراد سے اس بارے میں کھل کر بات کرے گی۔

"دھی رانی...... آج بدل (بادل) والا موسم ہے۔" بادل پہلے سے زیادہ گہرے ہوگئے تھے) ریشم ٹیوشن جانے کے لیے کتابیں بستے (بیگ) میں ڈال رہی تھی کہ رحمت علی آ گیا۔

"تو ابا؟" وہ اب ایسی ہی ہوگئی تھی روکھی اور کرخت سی...... رحمت علی کا چھوٹی چھوٹی باتوں پہ فکر مند ہونا بھی اسے اب ناگوار لگنے لگا تھا۔ اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ!

"ابا میں چھ سال کی بچی نہیں رہی...... جوان ہوگئی ہوں۔"

اس بات سے قطعی بے خبر کہ باپ کا دل اسی 'جوانی' کی وجہ سے اندیشوں میں مبتلا رہنے لگا تھا۔

"اولاد چاہے خود کو سات پردوں میں چھپالے...... ماں باپ ان کی چال ڈھال کے بدلنے سے ہی دل کا حال جان لیتے ہیں۔"

"...... آج ٹویشن (ٹیوشن) سے چھٹی کرلے دھی رانی۔" باپ کا دل کسی انہونی کا اشارہ دے رہا تھا...... بائیں آنکھ صبح سے پھڑکتی دل میں وسوسے ڈال رہی تھی۔

"ابا بہت ضروری ہے جانا...... آج کا سبق بہت اہم ہے۔" ریشم کی دلی حالت تو کسی 'سوہنی جیسی ہوئی جارہی تھی جس نے اپنے مہیوال سے ملنے دریا پار گھڑے کے سہارے جانا تھا...... بس ہر صورت جانا تھا۔

"بارش کی وجہ سی اور کڑیاں وی نہیں آئی ہوں گی۔" ریشم نے باپ کی بات کو کونسا اہمیت دی تھی جو ماں کی پکار پیروں کی زنجیر بنتی۔

اسے تو جانا تھا اور ہر حال میں جانا تھا۔

"دیکھ لیا ریشم کے ابا...... ہن یہ کسی کی بھی نہیں سنتی۔" یہ حاجرہ کا غصہ تھا...... جو بیٹی کے بدلے تیور دیکھ رہی تھی۔ اور سب کچھ محسوس کرتا رحمت علی گھونٹ گھونٹ چائے حلق میں اتارتا کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا...... بیٹی کے رنگ ڈھنگ سے ناواقف وہ بھی نہیں تھا۔

☆......☾......☆

آدھے راستے میں ہی مینہ برسنا شروع ہوگیا تھا' بھیگتی ہوئی ریشم بھاگتی ہوئی ٹیوشن سینٹر کے سناٹے اور خاموشی نے اطلاع دی کہ آج واقعی لڑکیاں نہیں آئیں۔

"ہائے تو میں نے کیا غلط کیا ابا کی بات نہ مان کر......"

ایک بیٹی کے دل نے جو کبھی باپ کا فرماں بردار اور تابعدار تھا اس نے اندر سے جھنجوڑا۔

”چلو اچھا ہی ہے کہ کوئی لڑکی نہیں آئی...... مراد سے کھل کر بات ہو جائے گی۔“

ساتھ ہی پیچھے سے آ کر اس بیٹی کی آنکھوں پر کسی نے کالی پٹی باندھ دی تا کہ نہ سوچے اور نہ ہی غور کرے...... پل بھر کے لیے ندامت اور افسوس پھر سے دھندلا گئے تھے۔

بارش سے بھیگے کپڑے اور بھیگا بستہ...... شکر ہے اندر چھپی کتابیں بھیگنے سے بچ گئیں...... وہ سب سے آگے والی کرسی پر بیٹھ کر مراد کا انتظار کرنے لگی۔

”اوہ اگر بارش کی وجہ سے وہ بھی آج نہ آیا تو......؟“ دل گھبرا اٹھا‘ ابھی انہی سوچوں میں الجھی بیٹھی تھی کہ برآمدے سے کسی کے مضبوط قدموں کی چاپ سنائی دی...... چاپ جانی پہچانی تھی‘ یہ چاپ اس شخص کے قدموں کی تھی جو چلتا تو زمین پہ رہا ہوتا...... مگر قدم ریشم کے دل پہ ہوتے تھے۔

”میں جانتا تھا کہ کوئی اور آئے نہ آئے تم ضرور آؤ گی۔“ سفید شلوار قمیص کے ساتھ سیاہ چمکدار جوتے...... وہ کتنا پیارا لگ رہا تھا۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے مراد۔“ بلا کسی تمہید کے وہ فوراً اصل بات پہ آنا چاہتی تھی باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ بتا رہی تھی کہ طوفان زوروں کا آنے والا ہے۔

”کیا......؟“ وہ بے تکلفی سے اس کے بالکل برابر والی کرسی پہ آ بیٹھا تھا...... کوئی تیسرا تو آج بیچ میں تھا نہیں...... تو پھر کیسی جھجک۔

”کیونکر احتیاط؟ خمار آلود نظریں جو کے مسکرا رہی تھیں ریشم کے صبیح چہرے پر جم گئیں۔

”میرا رشتہ آیا ہے مراد؟“

”تو پھر......؟“ انداز لاپروا سا۔

مسکراتے ہوئے مراد نے ریشم کی چہرے پہ آئی بھیگی لٹ کو چھوا تو اک عجیب سی سنسناہٹ اندر خانوں میں رینگی تھی کہ دل بے طرح سے دھڑک اٹھا۔

"وہ تین چار ماہ میں شادی کا کہہ رہے ہیں مراد۔" آسمان پہ بدلوں کی گڑگڑاہٹ نے شور مچایا اور پھر تھوڑی دیر ہی میں مینہ برسنا شروع' دیوانہ وار' موسلا دھار کہ بے اختیار ریشم کی پریشان نگاہوں نے اس جانب توجہ دیتے ہوئے سوچا کہ اتنی طوفانی بارش میں "واپسی" کیسے ہوگی؟

"تو کر اپنا شادی...... کس نے روکا ہے؟" مراد نے مخمور لہجے میں کہتے اس فقرے کی عجیب سی تاثیر دل نے محسوس کی تھی...... شاید بے حسی...... یا پھر خود غرضی...... کہ حیران و پریشان سی ریشم کی نظروں نے چونک کر اس کی جانب رخ کیا...... آج اس چہرے پہ روز والا تقدس واحترام محبت نہیں تھا...... آنکھیں بھی پاکیزگی سے عاری لگیں...... وہ کچھ اور قریب ہوا۔

"کیا مطلب؟" مراد کا قرب نہ جانے کیوں دل کو وحشت دل میں مبتلا کیے جا رہا تھا...... کہ اندر کی لڑکی وحشت زدہ ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی...... وہ بھی اس کے برابر اٹھ کھڑا ہوا...... سامنے کی دیوار پہ دو سائے ایک ساتھ نظر آنے لگے۔

"تم جیسی لڑکیوں سے شادی تھوڑی کی جاتی ہے...... تم تو صرف......" بلند ہوتے مراد کے ہاتھ نے خمار آلود انداز میں بڑی بے باکی کے ساتھ ریشم کے سرتاپا وجود کو دیکھتے سر کا دوپٹہ سرکانا ہی چاہا تھا کہ اندر کی لڑکی خوفزدہ ہوکر چلا اٹھی...... اور متوحش آنکھیں کناروں تک پھیل گئیں۔

گدھ......!

بھیڑیا......!

درندہ......!

وہ جو محبت کے دعوے تھے...... محبت کہاں تھی...... ہوس تھی اور رنگین مزاجی...... "اپنے سامنے خونخوار بھیڑیے کو دیکھ کر گاؤں کی "بھولی بھیڑ" جیسے چونکی تھی...... اب تو صرف ہوش تھا اس بھیڑیے سے خود کو بچانے کا۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگی...... بھیڑیا بھی اسے دبوچنے کے لیے پیچھے دیوانہ وار بھاگا' بات زندگی کی ہوتی تو "دھی رانی" ہمت ہار جاتی...... بات تو عزت کی تھی' جو زندگی سے بھی زیادہ قیمتی تھی...... اب تو دھی رانی کو صرف اپنے باپ کی پگ (پگڑی) اور عزت بچانے کی فکر تھی جو آج اسی کے غلط اٹھے قدموں تلے آ کر بس کچھ دیر ہی میں رل سکتی تھی۔

"دھی رانی......!"

وہ ہانپتی کانپتی بے توازن ہوکر آدھے راستے تک ہی پہنچی تھی کہ گر پڑی...... کیچڑ میں لت پت وجود کے ساتھ یہ آواز اس کی سماعتوں میں اتری......!

"شکر ہے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہوئے...... تن اور روح نہیں......"

☆......☆

"ابا آپ بہت لاپرواہ ہوگئے ہیں۔" محبت و دلار کے ساتھ رحمت علی کے کندھوں سے باریک پتلی چادر اتار کر موٹی چادر کے ساتھ اونی ٹوپی پہناتے ہوئے یہ خفا سی "دھی رانی" تھی...... وہی پرانی والی "دھی رانی" جو کچھ عرصے پہلے کھو سی گئی تھی...... رحمت علی اپنے معاملے میں سدا کا لاپروا تھا' ٹھنڈ اور بارش کی وجہ سے موسمی بخار نے آ گھیرا تھا...... جس پر ریشم نے باپ کو خفگی دکھائی اور اماں کے ساتھ جا کر حکیم سے باپ کے لیے دوا لے کر آئی تھی۔

"ٹھنڈ لگی ہے تمہارے ابا کو......" یہ حکیم جی کا کہنا تھا۔

"خیال رکھا کر ریشم پتر اپنے ابا کا......" اور اب ریشم کا خیال اس انداز کا تھا کہ رحمت علی چھوٹا سا بچہ اور ریشم جیسی اس کی بے بے...... چادر' ٹوپی' سوئیٹر' جرابیں...... دو دو لحاف دینے کے باوجود ریشم کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"نہ کر میری عادتیں خراب دھی رانی......" کچھ دیر پہلے ہی زبردستی باپ کو اپنے ہاتھوں سے دیسی ککڑ کی یخنی پلائی تھی اور اب گڑ اور سونف کا قہوہ لے کر پہنچ گئی تھی۔

"چار چھ مہینے تک تو نے رخصت ہو کر اپنے گھر چلے جانا ہے اور......!" گھونٹ گھونٹ قہوہ حلق میں اتارتے رحمت علی کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

☆......☆

ریشم نے دسویں اچھے نمبروں سے پاس کر لی تھی......

رحمت علی کا ارادہ تو بیٹی کو مزید پڑھانے کا تھا...... وہ تو تایا تائی مٹھائی لے کر آئے اور رحمت علی کو اپنا وعدہ یاد کروا کر چلے گئے۔

"ہم نے کون سا ریشم سے نوکری کروانی ہے...... جتنا پڑھ لیا بہت ہے رحمت پائی۔" یہ ریشم کی تائی تھی۔ جنہیں بہو کو بیاہ کر لے جانے کی بہت جلدی تھی...... دروازے کے پیچھے چھپی بڑوں کی باتیں سنتی ریشم کی آنکھیں بھیگ گئیں...... صحیح تو کہہ رہی تھی تائی کہ جتنا پڑھ لیا تھا بہت تھا...... اب وہی سبق اسے ساری زندگی یاد رکھنا تھا...... ذرا سا بھی نہیں بھولنا تھا کیونکہ......!!

"دھی رانیاں تو ماں باپ کا مان ہوتی ہیں...... اور مان ٹوٹ جائے تو ماں باپ کہیں کے نہیں رہتے۔"

☆......☆......☆

اس بھیانک بھیگی شام جب مراد اس کے تعاقب میں تھا...... وہ خوفزدہ ہو کر بھاگی تو پاؤں پھسلا اور وہ کیچڑ میں گر پڑی...... ممکن تھا کہ شکار شکاری کی گرفت میں آ جاتا...... مگر وہ تو کسی انہونی کے ڈر سے بے چین ہو کر رحمت علی گھر سے نکلا اور ٹیوشن سینٹر کی طرف چل پڑا...... وہ تو آدھے راستے میں اپنی نورنظر کو کیچڑ میں لت پت دیکھا...... تو رحمت علی گھبرا گیا۔

"ابا وہ...... میں......" بھل بھل آنسو باپ کو دیکھ کر آنکھوں سے بہہ نکلے تو باپ کا دل بیٹھنے لگا۔

"او سب خیر تو ہے دھی رانی۔" باپ کا دل خوف میں گھر گیا۔

"ابا میں گھر آ رہی تھی کہ پاؤں پھسلا اور میں گر گئی۔"

کیا بتاتی کہ پاؤں نہیں دل پھسل گیا تھا...... کہ پوری کی پوری اوندھے منہ غلاظت میں گر پڑی اور جب ہوش آیا تو پتہ چلا کہ جس کو محبت کی میٹھی شفاف نہر سمجھی تھی وہ تو غلاظت کا جوہڑ تھا بدبودار اور کچھ نہیں......!

اس شام کے بعد مراد گاؤں سے غائب ہو گیا تھا...... اور اس کے غائب ہو جانے کے بعد ریشم کو ٹیوشن سینٹر کی دو چار لڑکیوں کی اچانک موت کی خبر ملی تھی...... کسی نے کنویں میں کود کر جان دے دی تھی، کسی نے گندم کی بوری میں رکھی زہریلی گولیاں کھا کر زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا، کیونکہ گاؤں کی معصوم اور بھولی بھیڑیں بھیڑیے کے ہاتھوں خود کو بچا نہ سکی تھیں...... ریشم کے علاوہ مراد اور بھی نا جانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ محبت کا جھوٹا کھیل کھیلنے کے بعد ان کی زندگیوں کو داغدار کر گیا تھا۔

"کتنی نادان ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جو چند لمحوں کی محبت کو ماں باپ کی برسوں کی محبت پہ فوقیت دے کر اپنا سب کچھ برباد کر ڈالتی ہیں کہ ان کے ہاتھ رسوائی اور موت کے سوا کچھ نہیں آتا۔"

ریشم کو دلاور کے ساتھ شادی پہ کوئی اعتراض نہ تھا...... زندگی نے ایسا بھیانک سبق دیا تھا کہ ماں باپ کبھی اولاد کے لیے غلط فیصلہ نہیں کرتے بلکہ غلط تو وہ خود اپنے ساتھ کرنے جا رہی تھی...... اب تو دھی رانی کو بس ایک ہی فکر تھی کہ اس کے رخصت ہونے کے بعد اماں ابا کا خیال کون رکھے گا...... ابا کو گڑ والی چائے بنا کر کون دے گا...... اماں کے خشک بالوں میں سرسوں کے تیل مالش کون کرے گا...... ابا کے حقے کی چلم کون بھرے گا......؟

"ہائے ابا تو دوا لینے کے معاملے میں بڑا لاپرواہ ہے۔"

خبیث محبت کا آسیب جب سے ریشم کے سر سے اترا تھا وہ تو جیسے ہوش میں آ گئی تھی...... ایک بیٹی اپنے ماں باپ کا بھروسہ اعتماد توڑ کر انہیں زندہ درگور کرنے سے بچ گئی تھی...... اس پر رب سوہنے کا جتنا بھی شکر کرتی کم تھا۔

"بڑا غلط کرتی ہیں وہ لڑکیاں جو ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی غیر مرد کی محبت میں اندھی ہو کر غلط قدم اٹھا لیتی ہیں اور پھر کچھ نہیں بچتا کچھ بھی نہیں!"

اب یہ سبق ریشم کو ساری عمر نہیں بھولنا تھا۔

قسط نمبر سولہ

راحت وفا

ڈسنے لگی ہے اب شب فرقت کی تیرگی
آجاؤ صبح روئے منور لیے ہوئے
ہر غم پر ہے اک نئی الجھن کا سامنا
ہم آئے ہیں عجب مقدر لیے ہوئے

آج تک طوفان کا نام سنا تھا۔

تند و تیز ہواؤں کا طوفان، کالی لال منہ زور آندھیوں کا طوفان آتا ہے تو کوئی سدھ بدھ نہیں رہتی، کچھ بھائی نہیں دیتا، سب دروازے بجتے ہیں، سب کھڑکیاں آپس میں ٹکرا ٹکرا کر لہولہان ہوتی ہیں۔ درخت گرتے ہیں، عمارتیں زمیں بوس ہوتی ہیں، ایک شور اور طاقت کی زد میں ہر شے بے بس ہو جاتی ہے۔ ایسا طوفان قیامت کی قبا پہن کر آتا ہے اور ہوش و خرد کے سب دروازے بند کر دیتا ہے، انسان طوفان کے آنے اور اس کے جانے کے بعد گرد کی دبیز تہہ میں اپنے ساز و سامان سمیت دب جاتا ہے، پھر ہولے ہولے گرد سرک کر اسے سب پرانی چیزوں کا احساس دلاتی ہے کہ یہ سب تو تمہاری چیزیں ہیں جو گرد کی لپیٹ میں آ گئی تھیں۔ ظہیر ہمایوں گزشتہ چار گھنٹوں سے شدید طوفان میں گھرے ہوئے تھے۔ جھکڑ چل رہے تھے، گرد اڑ رہی تھی، ماضی کی یادوں کی حقیقتیں ان کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھیں...... چار گھنٹے پہلے نشید کمال کیا طوفان ان پر چھوڑ گیا تھا، جس کی شدت کسی ایٹم بم سے کم نہیں تھی...... اس حقیقت کی تکلیف سے وہ بے سدھ ہو کر میز پر رکھی اس مخملیں ڈبیا کو دیکھ رہے تھے جو ان کے سامنے رکھی ان کا امتحان لے رہی تھی...... اس کا کہا آخری جملہ ان کی ذات کو کچوکے لگا رہا تھا۔

”یہ...... شخص چاہت کو جانتا ہے، کیا جانتا ہے میرے اور اس کے بارے میں، نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے تو بھول کر بھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا، چاہت کی محبت کو بھی اظہار کا رنگ نہیں دیا پھر یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ خمار کے ساتھ چاہت کو کیوں ملا گیا؟“ وہ دیوانوں کی طرح خود سے سوال و جواب کر رہے تھے مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

”ظہیر ہمایوں...... کچھ تو ہے، تمہاری عزت، تمہاری پردہ داری شاید نشید کے ہاتھ لگ گئی ہے ورنہ وہ کیوں کہتا کہ میں نے محبت کو گناہ بنا دیا...... وہ کیوں کہتا ہے کہ انگوٹھی خمار کو پہنا دو یا چاہت کو...... اف یہ شخص کیا چاہتا ہے؟“ وہ شدت سے چلائے، تب ہی خمار ان کے کمرے میں داخل ہوئی...... اسے دیکھ کر انہوں نے جلدی سے انگوٹھی کی ڈبیا ہاتھ بڑھا کر اٹھائی اور نیچے ایک طرف گرا دی...... خمار کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔

کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا

کب نہ جانے ہوجائے معجزہ محبت کا

اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے

جس کے ساتھ ہوجائے حادثہ محبت کا

وہ ایک تخلیق کار تھی۔ احساس کی دنیا کی باسی۔ اس کا دل تتلی کے پروں جیسا نرم و نازک تھا۔ تلخ لہجے کا ہلکا سا لمس ان پروں کی دیدہ زیب رنگت دھیمی کر دیتا۔ چہرے پر کھینچی موہوم سی ناگواری کی لکیر بھی وہ محسوس کر لیتی تھی اور دل کے نہاں خانے میں چھپی محبت کی رمق بھی پا لیتی تھی۔ محسوسات کی گہرائی اسے ودیعت کی گئی تھی اور یہی قدرت کا اس پر سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑا ظلم تھا۔

آگہی ایک عذاب مسلسل کی طرح ہے۔ یہ انسان کو نہ پوری طرح خوش ہونے دیتی ہے نہ غمگین۔ وہ اپنے محسوسات صفحہ قرطاس پر بکھیر کر کسی حد تک مطمئن ہو جاتی۔ اس کے دل کی کیفیت کے حسب حال اس کا قلم الفاظ کے خزانے کاغذ کے سینے پر منتقل کرتا رہتا تھا۔ کبھی وہ مسرت کے سریلے نغموں کو صفحات کی زینت بناتی تو کبھی رنج و الم میں ڈوبی غزلیں لکھا کرتی تھی۔ قلم اور کاغذ کی سنگت بھی اس کے لیے اللہ کا اکرام ہی تھا ورنہ وہ اپنا کتھارسس بھلا کیسے کرتی؟

❁......❁......❁

زندگی آسان نہیں تو ایسی مشکل بھی نہ تھی۔ گھر، کالج اور کاغذ قلم کا ساتھ۔ سادہ سے شب و روز میں ہلچل مچانے نجانے کہاں سے "وہ" چلا آیا۔

وہ گھر سے کالج تک کا فاصلہ پیدل چلتے ہوئے اور بہت مگن سے انداز میں طے کرتی تھی۔ سفید یونیفارم پر گلابی رنگ کی وی اور اس کے اوپر سفید چادر سے اپنا سانچے میں ڈھلا وجود چھپائے بیگ کندھے پر لٹکائے سینے سے فائل لگا کر وہ آنکھیں جھکائے پندرہ منٹ میں کالج سے گھر اور گھر سے کالج تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ وہ اتنی خاموش اور خود میں مگن رہتی کہ لڑکیاں اس کو سفر کا ساتھی بنا کر پچھتایا کرتیں...... لیکن بظاہر تنہا نظر آنے والی وہ تنہا نہیں تھی۔ صبح بیدار ہوتے ہی اس کے ذہن میں الفاظ کا جم غفیر شور مچانے لگتا تھا۔ منہ ہاتھ دھوتے، ناشتہ کرتے، بال بناتے اور سر جھکا کر چپ چاپ کالج جاتے ہوئے اس کو رنگنی خیال اپنا ہمسفر بنائے رکھتے تھے۔ نظمیں غزلیں ایک تواتر سے شعور کے دروازے پر دستک دیتیں۔ مکمل اور نامکمل آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ سویرے ہی شعروں کی آمد اتنی افراتفری میں ہوا کرتی کہ وہ کنگھی سنگھار میز پر چھوڑ کر نوالہ منہ میں رکھ کر یا گیلے ہاتھوں کو بنا پونچھے کاغذ قلم کی طرف دوڑتی یا موبائل کا نوٹ پیڈ کھول کر کھٹا کھٹ ٹائپ کرنے میں جت جاتی تھی۔ آدھی ادھوری نظمیں،

ناکمل غزلیں لکھ کر فرصت کے اوقات میں مکمل کرنے کو
چھوڑ دیتی، یوں اس کا دل ہلکا ہو جاتا روح پر سے دھرا بوجھ
سرک جاتا تھا۔

وہ اکثر سوچتی الفاظ کو معلوم نہیں کیا میں مصروف ہوں
یوں ستانے کو صبح سویرے ہی چلے آتے ہیں کچھ صبر سے
ذرا دیر کو ٹھہر کر آئیں تو بھلا ان کا کیا جائے؟ پھر اپنے خیال
پر خود ہی مسکرا دیتی اور اسی مسکراہٹ کو لبوں میں دبائے کالج
چلی جاتی مگر جس روز سے اس کو اپنے وجود پر کسی کی غیر
معمولی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا اس کی یہ معمول کی
مسکراہٹ کھونے لگی تھی۔ عورت کی چھٹی حس بھی کیا شئے
ہے کہ مہر پوش جو اپنے میں مگن راستے کے پتھر گنتی سر
جھکائے کالج جایا کرتی تھی ایک دم جیسے چونکی ہو کر چاروں
طرف بغور دیکھ کر چلنے لگی تھی اور وہ کوئی چھپا ہوا احساس تو
نہیں تھا پورا سالم بندہ تھا جو فوراً ہی نظروں میں آ گیا تھا۔
اس کا سفید سنگ مرمر کا بنگلہ کالج کے راستے میں ہی پڑتا تھا
جس کی باؤنڈری وال سے جھانکتے سفیدے اور پام کے
اونچے درخت مہر پوش کو گردن اٹھا کر اپنی طرف دیکھنے پر
مجبور کر دیتے لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا، عام طور پر وہ کسی بھی
منظر پر دھیان نہ دیتی اور اب یہ پام کے درخت جیسا اونچا
پورا بندہ ہر روز ہی اپنے بنگلے کے آگے رکھی کرسیوں میں سے
کسی ایک پر براجمان نظر آتا۔

ٹی شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس، اونچا لمبا قد سرخ و سفید
چہرہ ہلکے کرلی قدرے الجھے بال۔ نیند کے خمار سے بھری
آنکھیں اور آنکھوں سے ظاہر ہوتی وارفتگی...... وہ بطور
خاص جیسے مہر پوش کا دیدار کرنے کو نیند سے لڑ جھگڑ کر بیٹھا
ہوتا تھا پھر مہر پر نگاہ پڑتی تو نظریں جمائے اس سے دیکھتا
ہی رہتا تھا۔ مہر اچٹتی نظر ڈالتی تو اس کو مکمل اپنی طرف
متوجہ پاتی۔ اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ مہر کو کچھ کہتی
محسوس ہوتی تھی۔ وہ فوراً نگاہیں چرا لیا کرتی تھی۔

کالج کا راستہ یہی تھا۔ لامحالا گزرنا بھی یہیں سے پڑتا
تھا۔ روڈ کے دوسری طرف چند آوارہ کتے پھرا کرتے جن
سے مہر کی جان جاتی تھی سو مجبوری کا نام یہی گزرگاہ تھی۔

مہر پوش کے وجود پر ان دو آنکھوں کا ارتکاز اب معمول بنتا جا رہا تھا۔ وہ بھی جیسے اس کی موجودگی کی عادی ہوگئی تھی۔ وہ اسے دیکھنے کے سوا اور کوئی اوچھی حرکت نہ کرتا تھا، بہت دن اس سے جھجکنے کے بعد مہر کو وہ بندہ بے ضرر لگا اور ''ضرر'' مہر پوش کی نظر میں جسمانی ہی ہوسکتا تھا دھیرے دھیرے دل پر جو ضرب پڑ رہی تھی وہ اس سے بے فکر تھی۔

صبح اٹھ کر اب بجائے شعروں کی آمد کے پہلا خیال اس اجنبی کا آتا۔ وہ منہ ہاتھ دھوتی، کنگھا کرتی یا چائے کے سپ لے رہی ہوتی ذہن میں یہی خیال ہوتا کہ آج پھر راستے میں ''وہ'' اپنی بولتی نگاہوں سے اس کا منتظر ہوگا اور یہ صرف اسی کو دیکھنے کا احساس مہر کے لیے مسرت کا باعث تھا۔ شروعات میں کئی بار مہر پوش نے آگے پیچھے اپنے ساتھ کالج جانے والیوں کا جائزہ لیا پھر اس اجنبی کی آنکھوں کو بغور دیکھا مگر وہ کسی اور کے تعاقب میں جاتی محسوس نہ ہوئیں اس بات نے مہر پوش کو سرخوشی میں مبتلا کر دیا تھا۔

کسی کی نظروں میں آنا اگر کوئی نعمت تھی تو مہر اس نعمت سے فیضیاب ہو رہی تھی اور ان نظروں میں ہمیشہ رہنے کی خواہش اس کے دل میں پروان چڑھنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

مہر پوش کی یہ خوشی افسردگی میں تب بدلی جب ایک دن اچانک وہ منظر سے غائب ہوا۔ پورے دو ماہ دس دن ان سرمئی آنکھوں کو اپنی راہ میں منتظر دیکھنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ سو اس کا اس طرح غیر حاضر ہو جانا مہر کو بے چینی میں مبتلا کر گیا تھا۔ کئی دن گزر گئے روز صبح ایک آس لے کر وہ گھر سے نکلتی اور واپسی مایوس قدموں کو گھسیٹتے ہوئے گھر آجاتی تھی۔ وہ بارہا اس سفید بنگلے کی بیرونی دیوار سے اچک کر اندر تک جھانک چکی تھی پر وہ اجنبی اس سے کہیں دکھائی نہ دیتا۔ سرسبز لان بالکل سونا سا لگتا اور پورچ میں کھڑی گاڑیاں بھی دھول میں اٹی دکھائی دیتیں۔

''شاید وہ کہیں شہر سے باہر گیا ہو؟'' مہر پوش خود کو تسلی دیتی کہ انسانی وجود کی کوئی جھلک گھر کے بیرونی طرف تو نظر نہ آتی تھی۔

دو ہفتے مہر عجیب سی تڑپ من میں سنبھالے اسی راستے سے گزرتی رہی۔ سر جھکانے کے بجائے سر اٹھا کر بے چین نظروں کے ساتھ پھر موسم نے کروٹ بدلی روز ہی کالی بدلیاں سویرے ہی آکاش پر قبضہ جما لیتیں۔ کبھی ہلکی کبھی تیز بوندیں بادلوں کا حصار توڑ کر شوخی شرارت لیے زمین کے بوسے لینے کو برس پڑتیں۔ ہر منظر نکھر کر خوشگوار ہو جاتا۔ لڑکیاں بھی ایسے میں چنچل، ہنسی اور شوخ باتوں کے سنگ کالج جانے لگیں لیکن مہر کو یہ موسم مزید اداس کر گیا تھا۔ اس دن بھی وہ کالج سے واپسی پر بے دلی سے قدم اٹھاتی گھر کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک ہلکی برستی بارش نے تیزی پکڑی اور لمحوں میں سب کچھ جل تھل ہو گیا تھا۔ مہر دونوں اطراف سے ہوتی پانی کی بوچھاڑ سے بوکھلا گئی ابھی تو گھر کافی فاصلے پر تھا وہ تیز تیز چلتی اجنبی کے سفید بنگلے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی لیکن برستی برسات ہنوز اس سے بھگوتی رہی۔ آگے کی طرف ایک قدم بھی مزید اٹھانا محال تھا۔ شدید طوفانی ہوا کے ساتھ پانی کے چلتے جھکڑ، وہ پانی سے بوجھل آنکھیں جھپکتی بے بسی سے اونچے پام کے درختوں کو دیکھنے لگی جو اتنے اونچے تھے کہ اس کو بارش سے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے اسی اثناء میں ایک کار بنگلے کے آگے آکر رکی۔ مہر سمٹ کر کچھ دور سرکی، کار کا آگے والا شیشہ نیچے ہوا اور کسی نے مہر کو پرشوق نظروں سے دیکھا۔ مہر کے آگے دبیز پانی کی چادر تنی تھی پھر بھی اس نے اجنبی کو پہچاننے میں لمحہ نہیں لگایا تھا۔ گیٹ کھلا اور گاڑی تیزی سے اندر چلی گئی پھر گیٹ بند بھی ہوگیا۔ مہر کی آنکھوں سے نجانے کیوں پانی بہہ نکلا۔ اس نے آنکھیں میچ کر ضبط کی کوشش کی۔

''آپ پلیز اندر آجائیں۔ بارش بہت تیز ہے۔'' گمبھیر آواز نرمی کی حلاوت لیے سماعت سے ٹکرائی تو مہر نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ چھتری تانے قریب ہی

کھڑا تھا۔ مہر کا دل بہت تیزی سے دھڑ کا تھا۔

''سوچیے مت...... آجائیں ورنہ بیمار ہوجائیں گی۔''

وہ اپنی چھتری اس کی طرف بڑھا کر بولا تو مہر نے خواب کی سی کیفیت میں قدم آگے بڑھائے۔

وہ اس کے ہم قدم چلتی ہوئی بنگلے کے اندر آ گئی۔ ماربل کی گیلی روش پر اس اجنبی کے ساتھ ایک چھتری میں چلتے ہوئے وہ اس کے ملبوس سے اٹھتی ہوش ربا مہک سے ادھ موئی ہوئی جارہی تھی۔ برآمدے میں آ کر اس نے چھتری جھاڑ کر بند کی اور مہر کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ مہر جیسے کسی خواب سے جاگی اور اس نے نفی میں سر ہلا کر آگے نہ جانے کا عندیہ دیا۔

''اوکے...... آپ ادھر ہی بیٹھ جائیں۔'' اس نے وہیں رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی گھسیٹ کر مہر کے آگے کی اور مہر کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کافی لیں گی یا چائے؟'' وہ حق میزبانی نبھا رہا تھا۔

''چائے......'' مہر نے جھکی نظروں سے کہا تو وہ اندر چلا گیا۔

مہر کا پور پور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ بدن سے لپٹی چادر پانی سے بھیگ چکی تھی۔ مہر نے اپنی گیلی فائل سینے سے لگالی، موسلا دھار بارش کو بدمست ہوا بوچھاڑ کی صورت برآمدے میں پھینک رہی تھی۔ مہر نے فکر مندی سے موسم کے تیور دیکھے۔

''یہ لیں آپ کی چائے۔'' کچھ ہی دیر میں وہ ہاتھوں میں دو مگ اٹھائے باہر آیا۔ مہر نے اس کے ہاتھ سے ایک مگ لیا۔ وہ پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپ بہت بھیگ گئی ہیں۔ چاہیں تو اندر ہیٹر کے آگے بیٹھ جائیں۔'' وہ اس کے ہولے ہولے کانپتے وجود کو دیکھ کر بولا تو مہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''اوکے ایز یو وش۔'' اجنبی نے کندھے اچکائے۔

''مجھے مشعال کہتے ہیں اور آپ مہر؟'' اس نے مہر کی فائل پر اچٹتی نظر ڈال کر نام پڑھ لیا تھا۔

''مہر پوش......'' مہر نے نام مکمل کیا۔

''مہر پوش......'' مشعال نے ابرو اچکائے۔

''میری اردو کچھ ویک ہے آپ اس کا مطلب بتائیں گی۔'' وہ مشتاق نظر آیا۔

''محبت اوڑھنے والی۔'' نام کا مفہوم بتاتے مہر لجا سی گئی۔

''انٹرسٹنگ۔'' وہ کھل کر مسکرایا۔

یکا یک مہر پر چند اشعار کی آمد ہوئی اور وہ بے چین ہوگئی۔ اس نے چور نظر اجنبی پر ڈالی جو چائے کے سپ بھر رہا تھا پھر اس نے اپنا موبائل بیگ سے نکالا اور تیزی سے چند اشعار نوٹ پیڈ پر منتقل کیے۔

''ہاتھ میں چائے کا کپ ہو\
اور سن رہے ہوں\
تیری گفتگو\
زندگی اس سے\
بڑھ کر اب اور\
کیا مہرباں ہوگی''

وہ ٹائپ کر کے فوراً سیدھی ہوئی۔ اجنبی تب تک اس کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''اپنا سیل دیجیے گا۔'' وہ ہاتھ بڑھا کر بولا تو مہر کا دل دھڑ کا۔

اجنبی نے خود ہی اس کا موبائل لے لیا اور کال لوگ میں جا کر کچھ نمبرز دبائے۔ ایک خوب صورت رنگ ٹون کی آواز سنائی دی تو اس نے پینٹ کی جیب سے اپنا بجتا سیل نکالا اور کال کاٹ دی۔

''اب آپ کا نمبر میرے سیل فون میں محفوظ ہوگیا ہے۔ ڈیئر مہر پوش۔'' وہ موبائل لوٹاتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا۔ مہر پوش اس کی ہوشیاری پر انگشت بدنداں رہ گئی۔

بارش میں کمی آنے لگی تھی۔ مہر نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی پچھلے پندرہ منٹ سے وہ اس شخص کے سامنے براجمان تھی جس کو پچھلے پندرہ دنوں سے وہ دیوانوں کی طرح کھوج رہی تھی۔ وہ تشکر سے آسمان سے برستی

بوندوں کو دیکھنے لگی جو اس کے بےقرار دل کا چین لوٹانے کا سبب بنی تھیں۔ اس خوب صورت موسم میں اجنبی کے ساتھ یوں بیٹھ کر بات چیت کرنا اس سے ایک خواب لگ رہا تھا۔

''مجھے اب گھر چلنا چاہیے۔'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اتنی جلدی۔'' مشعال کے چہرے پر بےچینی جھلکی۔

''جی..... اماں پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' وہ دھیمے سے بولی۔

''میں آپ کو گھر تک ڈراپ کر دوں؟'' اس نے آفر کی تو مہر نے نفی میں سر ہلایا اور قدم تیزی سے باہر کی طرف بڑھائے۔

''او کے..... لیٹ می ڈراپ یو ٹل ڈور۔ میں گیٹ تک تو آپ کو رخصت کر دوں۔'' وہ لپکتا پیچھے آیا۔ گیٹ تک پہنچ مہر کے قدموں میں سستی آئی۔ وہ جانے سے پہلے اجنبی کو ایک نظر دیکھنے کی چاہ میں پلٹی۔

اجنبی پیچھے ہی کھڑا تھا..... مہر نے اس پر الوداعی نگاہ ڈالی مگر اجنبی کی پرشوق نظروں کی تاب نہ لا کر جھکالی۔

''نائس ٹو میٹ یو۔'' اجنبی نے بےتکلفی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اجنبی کی اس اچانک حرکت پر مہر کانپ سی گئی۔

''اللہ حافظ۔'' اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا اور بہ عجلت دروازہ پار کر گئی۔

اس بار قدموں میں پہلے سے زیادہ تیزی تھی، اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ اجنبی اس کی عجلت پر کس اچھنبے کا شکار ہو گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس رات مہر پوش کو نیند نہیں آئی..... اس کے تصور میں اجنبی کا سراپا بار بار آ رہا تھا، وہ جو پہلی بار اس کے پاس بیٹھا تھا، جس کے پرفیوم کی خوشبو ابھی تک مہر کی سانسوں میں تھی اس کا دیکھنا وہ بھول نہیں پا رہی تھی اور اس کا لمس..... زندگی میں پہلی بار کسی غیر مرد نے مہر کو چھوا تھا، کیسی گرمائش تھی اس لمس میں کہ مہر کا بدن کانپ اٹھا تھا۔ تکیہ کے نیچے موبائل تھرتھرایا تو مہر چونکی۔ سیل اٹھایا اسکرین پر اجنبی کا نمبر جل بجھ رہا تھا..... مہر کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ بہ مشکل یس کا بٹن دبایا۔

''ہیلو مہر پوش.....'' اجنبی کی گمبھیر آواز موبائل سے ابھری۔

''ہیلو.....'' مہر نے دھڑکتے دل کے شور کے درمیان کہا۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک۔'' مہر نے ایک لفظی جواب دیا۔

''بہت جلدی کی واپس جانے میں، تھوڑی دیر مزید ٹھہر جاتیں، تمہارے دیدار سے سیراب بھی نہیں ہوا اور تم چلی بھی گئیں۔'' اجنبی نے شکوہ کیا۔

''گھر پر اماں پریشان ہو رہی تھیں۔'' مہر نے بہانہ بنایا۔

''پھر بھی کچھ دیر ٹھہر جاتی..... تمہاری ایک تصویر کھینچ لیتا رات تمہارا دیدار کرتے با آسانی کٹ جاتی۔'' اجنبی نے دلداری سے کہا تو مہر کو اس کی بےتابی پر حیرت ہوئی۔

''کیا اجنبی بھی میری طرح دیدار کی تشنگی لیے بے چین ہے۔''

''تم نے تو میرا قرار لوٹ لیا ہے مہر۔ اس آدھی ادھوری دیدار نے مکمل دید کی پیاس بڑھا دی ہے۔'' اجنبی کے لہجے کی بےتابی مہر کو لجا گئی۔

''میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں مہر..... پلیز وڈیو کال پر آؤ۔'' اجنبی کی اگلی فرمائش پر مہر چونکی۔

''وڈیو کال.....!'' مہر بڑبڑائی۔

''ہاں وڈیو کال۔''

''نن..... نہیں یہ وقت وڈیو کال کے لیے مناسب نہیں۔'' مہر اٹھ بیٹھی اور خود کو طائرانہ نظروں سے دیکھا۔ دوپٹے کے بغیر شب خوابی کے لباس میں وہ جھجک سی گئی۔

''کیوں اس وقت کیا خرابی ہے۔ مجھے تمہیں دیکھنا ہے مہر۔'' اجنبی بضد ہوا۔

”آپ صبح مجھے دیکھ لیجیے گا۔“ مہر نے اسے ٹالا۔
”صبح ہونے میں پانچ گھنٹے ہیں مہر...... آئی کانٹ ویٹ۔“ مشعال کی تڑپ نے مہر کو بے چین کردیا پر ایک حیا آڑے تھی جسے پاٹنا ناممکن تھا۔
”سوری مشعال...... میں اس وقت وڈیو کال پر بات نہیں کرسکتی۔“ مہر نے سنجیدہ لہجے کہا تو مشعال خاموش ہوگیا اور پھر اسی خاموشی سے اس نے کال کاٹ دی۔
موبائل کی بجھتی اسکرین کو مہر نے بے یقینی سے دیکھا۔ اتنی چھوٹی سی بات پر اجنبی کا ایسا ردعمل۔
”مہر تم نے پہلی بار میں ہی اپنے محبوب کو ناراض کردیا۔“ اس کے اندر سے سرزنش ہوئی۔
”میں اسے دوبارہ کال ملاتی ہوں۔“ مہر نے بے چینی سے موبائل ہاتھ میں لیا۔ ”پھر اس نے اپنی فرمائش دہرائی تو......“ اس سوچ پر اس کی موبائل پر گرفت ڈھیلی ہوئی۔
”مہر دوپٹا اوڑھ کر تم اس کو چہرہ دکھا سکتی تھیں۔ کیوں اسے بددل کیا۔“ مہر کے دل نے نروٹھے پن سے کہا۔
”مگر یہ وقت مناسب نہیں ہے۔“ مہر نے گھڑی پر نظر کی۔
”وہ خفا ہوگیا ہے اب بھگتو...... ایک جھلک ہی تو دیکھنا چاہتا تھا دکھا دیتیں۔“ دل نے اپنی ہمدردی جتائی۔ مہر سر پکڑ کر بیٹھ گئی، پہلی بار ہی فون پر بات ہوئی اور وہ بھی اجنبی کی خفگی پر اختتام پزیر ہوئی۔
”وہ اب دوبارہ شاید ہی تم سے بات کرے۔“ مہر کے دل نے اسے خدشے میں ڈال دیا، ایک آنسو نے چپکے سے اس کے گال کو بھگو دیا۔

❁......❁......❁

اگلی صبح عجب بے قراری سے طلوع ہوئی تھی...... مہر نے عجلت میں تیار ہوکر آدھا ادھورا ناشتہ کیا اور کالج جانے کے لیے گھر سے نکل آئی، آج اس کے قدم تیز اور دل کی دھڑکن انجانے خدشات سے بھری ہوئی تھی، مشعال کے گھر تک پہنچتے وہ اچھی خاصی ہانپ چکی تھی۔ گیٹ کے آگے خلاف توقع ویرانی تھی، مشعال اس کی راہ میں نہیں بیٹھا تھا، مہر کا دل رونے لگا۔
”تو کیا وہ اتنا ناراض ہوگیا کہ یہاں بیٹھنا تک پسند نہیں کیا۔“ دو آنسو مہر کی آنکھوں سے چھلکے۔
دھند کی چادر آنکھوں پر تانے اس نے بقیہ راستہ طے کیا۔ دل اتنا بوجھل تھا کہ کسی بات میں نہ لگا، جیسے تیسے وقت کٹا اور مہر پوش نے کالج سے واپسی کی راہ لی۔ گھر آ کر بھی بے چینی طاری رہی۔ اترے چہرے سے اس نے معمول کے کام انجام دیئے۔ اماں نے بارہا پوچھا۔
”طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹی؟“ پر مہر پوش نے سر درد کا بہانہ بنا دیا۔ یہ جھوٹے بہانے بنانا اس نے کل سے سیکھا تھا، وہ اپنی ماں کو اپنے جذبات کی اس اکھاڑ پچھاڑ سے بے خبر رکھے ہوئے تھی۔
”مجھے مشعال کی کال اٹینڈ ہی نہیں کرنی چاہیے تھی یا اماں کو سب بتا دینا چاہیے تھا۔“ مہر نے سر ہاتھوں میں گرا کر سوچا۔ اس کے شفاف شیشے جیسے جذبات پر پہلی بار ضرب پڑی تھی سو ہر بات ہی بہت بڑی محسوس ہورہی تھی۔ رات کے بڑھتے سائے اسے وسوسوں میں ڈال رہے تھے۔
مشعال سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا پر اس کا وڈیو کال کا مطالبہ بھی نامناسب محسوس ہورہا تھا۔ اماں سے یہ بات چھپانے کا احساس الگ کچوکے لگا رہا تھا۔ زچ آ کر مہر نے موبائل فون آف کر کے رکھ دیا۔
”یہ کیا کردیا پگلی...... تم اسے مزید ناراض کررہی ہو۔ سیل آف نہ کرتی کیا پتا وہ کال کر لیتا۔“ مہر کا دل ایک بار پھر مشعال کے لیے میدان میں اتر آیا۔
”میں کیا کروں میرے اللہ۔“ مہر ایک بار پھر پریشانی کا شکار ہوئی۔
”سنا تھا محبت ہنساتی ہے یہ کیسی محبت ہے جو مجھے رلا رہی ہے۔“ اس نے گالوں سے بہتے اشک انگلیوں سے سمیٹے۔
”تو کیا مشعال سے مجھے واقعی محبت ہوگئی ہے؟“ اس نے چونک کر سوچا۔

"اتنی بے قراری کسی کی چاہت ہی عنایت کرتی ہے۔" دل نے وثوق سے کہا۔ مہر الجھ گئی آج تو تمام دن الفاظ نے بھی دماغ پر دستک نہ دی تھی، اشعار کی آمد کا سلسلہ کل رات سے تھما ہوا تھا اور یہ بات مہر کو مزید بے چین کر رہی تھی۔ اظہار کے راستے مسدود ہو جائیں تو جذبوں کا سیل رواں سر پٹخنے لگتا ہے۔

کروٹ پر کروٹ بدلتے مہر پر گھٹن کی کیفیت طاری تھی پھر بلا ارادہ اس نے موبائل آن کیا۔ یکا یک نوٹیفکیشنز کی بھرمار لگ گئی۔

مشعال کی پانچ مسڈ کالز اور واٹس ایپ پر کئی پیغامات مہر کو پھر سے جی اٹھنے پر مجبور کر گئے...... وہ میسجز میں سیل آف کرنے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ مہر ابھی جواب دینے کا سوچ رہی تھی کہ مشعال کی کال آ گئی...... مہر نے جلدی سے اٹینڈ کی۔

"ہیلو ڈیئر...... کیسی ہو؟ فون کیوں آف کر رکھا تھا۔" اس کی آواز میں پچھلی رات کی خفگی کا شائبہ تک نہ تھا، مہر نے سکون کی سانس بھری۔

"چارجنگ ختم ہو گئی تھی۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"اوہ...... چارج کر کے رکھا کرو ناں...... پتا بھی ہے میں اس وقت کال کرتا ہوں۔" مشعال نے گمبھیرتا سے کہا تو مہر کا دل دھڑ کا۔

"آپ اسی وقت کیوں کال کرتے ہیں، ہم...... میرا مطلب دن کے کسی اور پہر کیوں نہیں؟" مہر نے سادگی سے پوچھا۔

"اچھا سوال ہے...... ایکچولی دن میں مجھے دوسری مصروفیت ہوتی ہے۔" مشعال نے جیسے لطف لے کر بتایا۔

"آپ آج صبح نظر نہیں آئے؟" مہر نے دل میں مچلتا دوسرا سوال کیا۔

"اوہ یس...... دراصل آج میری آنکھ دیر سے کھلی۔ تم گزری تھی کیا یہاں سے؟" مشال کا لہجہ بے نیاز سا تھا۔

"جی...... میں تو روز ہی گزرتی ہوں۔" مہر نے اپنے جذباتی پن کو کوستے جواب دیا۔ وہ جو کل سے مشعال کی خفگی کو سوچ سوچ کر آدھ موئی ہو رہی تھی حقیقت میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

"گڈ آندھی ہو یا طوفان کالج کی چھٹی نہیں کرتی ہو...... تمہاری علم سے محبت اچھی لگی۔" مشعال کا لہجہ متبسم تھا، مہر سمجھ نہ سکی یہ ستائش ہے یا پھر کچھ اور۔

"اور بتاؤ مہر ڈیئر پڑھائی کے علاوہ کیا مشاغل ہیں تمہارے؟" مشعال نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا تو مہر نے مختصراً اپنی روٹین بتا دی۔

پھر اسی انداز میں دونوں نے ڈھیر ساری باتیں کر لیں...... زیادہ تر مشعال ہی بولتا رہا، مہر حسب عادت خاموش تھی، وہ دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھی کہ مشعال نے آج وڈیو کال کی ضد نہیں کی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ بات چیت کے بعد مشعال نے فون بند کیا، آج کی رات گزری رات سے بالکل مختلف تھی۔ آج نیند کی دیوی مہر پر عجیب انداز سے نامہرباں ہوئی تھی، اس کی جاگتی آنکھوں پر خوشگوار خواب اترے تھے۔

❁ ❁ ❁

صبح بہت چمکیلی تھی یا مہر کے وجود میں روشنی آ بسی تھی وہ سمجھ نہیں پائی...... آج کالج کی طرف اس کے قدم سرمستی سے اٹھ رہے تھے، مشعال حسب توقع اپنے گھر کے آگے ہی براجمان تھا...... مہر کو دیکھ کر ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔ مہر جواباً لب دبا کر مسکرائی، اس کے پاس گزرتے بے طرح جھجک نے مہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دل الگ لے پر دھڑک رہا تھا، مشعال کے لب اسے کچھ کہنے کے لیے وا ہوئے پر وہ تیزی سے اس کے پاس سے اس طرح گزری کہ وہ پیچھے سے پکارتا ہی رہ گیا۔

کالج میں سارا وقت آج بھی مشعال کی سوچوں کے نام ہوا...... وہ تقریباً غائب دماغی سے پیریڈ لیتی رہی پھر باقی وقت اس نے لان کی بینچ پر اکیلے بیٹھ کر مشعال کے خیالوں کے ساتھ گزارا۔ اس کے ذہن میں اب شاعرانہ

خیالات کی جگہ نہیں رہی تھی...... وہ اپنے محبوب کو سوچتی یا الفاظ پر اپنا وقت ضائع کرتی، مشعال کو سوچنا بہت قیمتی تھا، باقی ہر چیز ثانوی۔ کالج کے بعد گھر اور گھر پہنچ کر دن ڈھلنے کا انتظار کتنا کیف آفریں تھا۔

مشعال نے اپنے مخصوص وقت پر کال کی...... آج بھی مہر سے اس نے ڈھیروں باتیں کیں، مہر سے متعلق چھوٹی چھوٹی معلومات اس نے نہایت دلچسپی سے حاصل کیں اور اپنے متعلق بھی بتایا تھا۔ وہ دو بھائی تھے، والدین کا انتقال ہو چکا تھا، وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، بڑا بھائی سول سروسز میں اور شادی شدہ ہے۔ مشعال کا ارادہ تعلیم مکمل کر کے بیرون ملک جانے کا تھا۔

مشعال نے اس رات مہر کے معصوم اور سادہ حسن کو بے حد سراہا تھا اس نے بتایا کہ بناوٹ و تصنع کے اس دور میں مہر کا سادہ اور غیر بناوٹی انداز اس کی توجہ کھینچنے کا سبب بنا ہے اور مہر وہ تو اپنی اس درجہ پزیرائی پر بے خود ہوئی ہو رہی تھی۔ بھلا چند کالج کی لڑکیوں کے سوا کس نے اس کے سادہ اور بے پناہ حسن کو سراہا تھا وہ لڑکیاں بھی رشک و حسد میں ڈوبی اس کی یوں تعریف کرتیں کہ جیسے کسی آگ میں جھلس رہی ہوں۔ ایسی بے ساختہ اور کھلے دل سے کی گئی ستائش تو اسے کہیں سے نہ ملی تھی۔

مہر خوش تھی بے حد خوش اور اس خوشی میں ماں کو اس بات سے نا واقف رکھے جانے کا پچھتاوا کہیں گم ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

زندگی مہر کو ایک دم بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ کسی کی توجہ کا مرکز بنے رہنے کا نشہ ہمہ وقت اس پر سوار رہنے لگا تھا۔ مشعال کی چاہت نے اس کے چہرے پر وہ الوہی چمک پھیلا دی تھی کہ اس پر نظر نہ ٹھہر رہی تھی...... مشعال اور اس کے درمیان بنا تعلق بظاہر بڑا بے ضرر لیکن اندر سے بہت گہرا تھا۔ مہر کی طرف سے یہ گہرے سے گہرا ہوتا جا رہا تھا...... اسے مشعال کو دیکھنے اور سنتے رہنے کی عادت ہو گئی تھی اور عادت محبت سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ یہ انسان کو سر جھکانے پر مجبور کر دیتی ہے اور مہر بھی دھیرے دھیرے سر جھکاتی جا رہی تھی۔

اس دن اتوار کی چھٹی اور مہر کا جنم دن تھا...... وہ اپنا جنم دن اماں اور بابا کے ساتھ کیک کاٹ کر سادگی سے منایا کرتی تھی۔ دو پہر میں اماں اور بابا گھر کا سودا سلف اور مہر کا اسپیشل کیک لینے گھر سے نکلے تو مہر نے دروازہ بند کیا اور کمرے تک آئی پھر دستک کی آواز پر دوبارہ پلٹنا پڑا، دروازہ کھولتے ہی مہر کو حیرت کا جھٹکا لگا، مشعال ہاتھوں میں ایک خوب صورت بوکے اور گفٹ تھامے کھڑا تھا۔

”ہیپی برتھ ڈے مہر......“ مشعال نے دونوں چیزیں اس کی طرف بڑھائیں جو ساکت کھڑی تھی۔

”آ......! آپ یہاں کیسے؟“ مہر ہکلائی۔

”کیوں میں تمہیں برتھ ڈے وش کرنے نہیں آ سکتا۔“ مشعال نے ابرو اچکائے، اس وقت وہ بلیک ڈریس پینٹ میں میرون ٹائی لگائے بالوں کو جیل سے کھڑا کیے کوئی مغرور شہزادہ نظر آ رہا تھا۔

”نن...... نہیں ایسی بات نہیں۔“ مہر مرعوب سی ہوئی۔

”اندر آنے کو نہیں کہو گی؟“ مشعال کی بات پر مہر کو کرنٹ لگا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہ تحفہ قبول کر رہی ہو نہ ہی مہمان کو اندر بٹھا رہی ہو بہت ان مینرڈ ہو مہر۔“ مشعال نے روٹھے پن سے کہا۔

”تھینکس الاٹ اس گفٹ کے لیے...... میں آپ کو اندر نہیں بٹھا سکتی اماں بابا گھر پر نہیں۔“ مہر نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے چیزیں لے کر کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی...... مہمان کو یوں ٹرخایا جاتا ہے کیا؟“ مشعال نے خالی ہاتھ پہلو پر ٹکائے۔

”آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔“ مہر نے بے چینی سے کہا۔

”مہر...... تم سے ایسی بدتہذیبی کی امید نہیں تھی۔“ مشعال نے خفگی دکھائی۔

”آئی ایم سوری مشعال مگر......“ مہر نے اپنی صفائی

میں کچھ کہنا چاہا پر مشعال روٹھا روٹھا سا واپس مڑ گیا اور اپنی سفید کار میں بیٹھ کر زن سے گاڑی اڑا لے اڑا۔ مہر کی آنکھوں میں دھند بھر گئی اس نے بے دلی سے دروازہ بند کیا اور دروازے سے ٹیک لگا کر رو دی۔ مشعال کی خفگی کا خیال ہی سوہان روح تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے کمرے تک آئی۔

"میں نے ایک بار پھر اسے خفا کر دیا۔" بیڈ پر گفٹس رکھ کر اس نے پچھتا کر سوچا۔

"تو کیا اکیلے گھر میں اسے اندر بلا لیتی؟" ایک اور سوچ آئی تو مہر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کبھی نہیں، اکیلے مرد عورت کے بیچ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" اسے ماں کی سنائی حدیث یاد آئی روتی آنکھوں سے اس نے بوکے اٹھا کر سونگھا، خوشگوار پھولوں کی مہک اس کے مشام جان تک پھیل گئی پھر مہر نے گفٹ کھولا ایک نفیس قسم کا قیمتی سوٹ اور لیڈیز پرفیوم کے ساتھ ڈھیر سارے چاکلیٹس دیکھ کر مہر کو اور رونا آیا۔

"کتنا اچھا ہے مشعال...... میرے اس دن کو کس محبت سے یاد رکھا اور گفٹس لایا۔" مہر کے دل میں اس کی قدر مزید بڑھی، گفٹس اور بوکے اٹھا کر اس نے احتیاط سے اپنی الماری میں رکھے اور موبائل اٹھا کر مشعال کو کال ملائی، ارادہ اسے سوری کرنے کا تھا پر کال کاٹ دی گئی، مہر دھک سے رہ گئی، اس نے ایک بار پھر کال ملائی پھر کاٹ دی گئی۔ وہ بار بار ملاتی رہی مگر ہر بار کاٹ دی جاتی، مہر نے چھ سات بار ٹرائے کر کے آخر ہار مان لی اور کھل کر رونے لگی...... مشعال کی خفگی ایسی تھی جیسے کوئی مہر کے بدن سے جان نکال رہا ہو۔ وہ انتہا کی بے چینی کا شکار سارے گھر میں چکراتی رہی پھر اماں بابا سامان کے ساتھ لوٹ آئے اور حسب سابق مہر نے ان کے ساتھ مل کر اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا پر اس بار اس میں مخصوص جوش و خروش مفقود تھا۔ مشعال کی خفگی اسے خوش ہونے نہیں دے رہی تھی۔ اس کا اترا چہرہ دیکھ کر اماں بھی ٹھٹکی۔ مہر نے سر درد کا بہانہ بنایا۔ رات تک اس بے قراری اور بار بار رونے سے سچ مچ کا سر درد اور بخار میں مبتلا کر دیا وہ اندرونی گرمائش سے جلنے لگی۔ اس رات فون ساری رات خاموش رہا، مہر کی بھی ہمت نہ پڑی کال کرنے کی، مشعال کا کال کاٹ دینا اس کے دل کو کاٹ رہا تھا۔

صبح کالج کی طرف جاتے اس کے قدم سست اور دل اداس تھا، مشعال کے گھر کے آگے اس کی مخصوص کرسی ندارد تھی، مہر کو اندازہ تھا یہی ہوگا۔ وہ بددلی سے کالج گئی اور اداسی سے وقت گزار کر واپسی کی راہ لی۔ سر جھکائے دھندلی آنکھوں سے وہ راستے کے پتھر گنتی سست رفتاری سے چل رہی تھی کہ گاڑی کے مسلسل ہارن پر بے حد چونک کر سر اٹھایا۔ سفید گاڑی میں مشعال سوار تھا اسے دیکھ کر وہ بے اختیار خوش ہوئی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے مہر، گاڑی میں بیٹھو۔" مشعال نے گاڑی قریب لا کر سنجیدگی سے کہا تو مہر حیران ہوئی۔

"کم آن جلدی بیٹھو۔" مشعال نے اصرار کیا تو مہر نے آس پاس دیکھا، کالج سے چھٹی کا وقت تھا اور لڑکیاں ٹولیوں کی شکل میں پیدل اور کچھ سواریوں پر سوار گزر رہی تھیں، بہت سی ان کی طرف متوجہ بھی تھیں۔

"آپ کو جو کہنا ہے فون پر کہہ دیجیے گا...... میرا گاڑی میں بیٹھنا مناسب نہیں۔" مہر نے دامن بچایا۔

"مجھے تمہارے ساتھ کہیں تسلی سے بیٹھ کر بات کرنی ہے مہر۔" مشعال نے اسی ٹون میں کہا۔ مہر نے پھر اطراف میں دیکھا اسے لگا جیسے سب لوگ اپنے کام دھندے چھوڑ کر بیچ سڑک پر کھڑی مہر کو تاک رہے ہیں مہر نے گھبرا کر قدم آگے بڑھائے۔

"آپ مجھے فون پر بتا دیجیے گا۔"

"بیٹھو مہر۔" مشعال نے ان سنی کر کے گاڑی سست رفتاری سے چلائی۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔" مہر نے گھبرا کر کہا اس کو اب ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔

"اپنے گھر میں مجھے بٹھا نہیں سکتی، میری گاڑی میں

بیٹھ نہیں سکتی واٹ ربش۔" مشعال نے اسٹیرنگ پر زور سے ہاتھ مارا، وہ ہاتھ مہر کے دل پر پڑا تھا۔ آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر نکلے، انہیں ہاتھوں سے صاف کرتے وہ تیز رفتاری سے چلنے لگی۔

"بیٹا جی رکیے تو...... کیا ہوا؟ یہ بدمعاش آپ کو چھیڑ رہا ہے۔" ایک باریش آدمی اسے پکار کر بولا۔ مہر نے روتے ہوئے قدموں کی رفتار تیز کی تو مشعال غصے سے گاڑی بڑھا لے گیا۔

✿ ✿ ✿

دو راتوں سے مہر کا بخار کم نہیں ہو رہا تھا، اماں اس کی فکر میں بے حال تھیں تو بابا پریشان۔ مہر اپنی وجہ سے والدین کو فکرمند دیکھ کر شرمسار ہوئی جاتی تھی۔ جس کی فکر میں بخار چڑھا اس نے تو ایک بار کال کرنی بھی گوارا نہ کی، مہر کو اب بھی اس کی کال کا انتظار تھا...... وہ مشعال کے روبرو بات کرنے کے تقاضے پر الجھ گئی تھی۔ بھلا روبرو کیا بات کرنی تھی فون پر ہی بتادے۔ وہ سوچتی اور الجھتی رہی تھی۔ تیسرے دن اس کے بخار میں کمی آئی تو اماں نے شکر کا کلمہ پڑھا اور جھٹ سے کچھ میٹھا محلے کے بچوں میں بانٹنے کو دوڑیں۔

مہر کمزور قدموں سے بستر سے اٹھی اور الماری تک آئی جس میں مشعال کا دیا بوکے رکھا تھا...... مہر نے ہاتھ بڑھا کر بوکے اٹھایا اور سونگھا باسی پھولوں کی مہک ناک سے ٹکرائی پھر مہر نے اس کے دی ہوئی چاکلیٹس میں سے ایک چاکلیٹ کھول کر چکھنے کی کوشش کی تو حلق میں پھنسے آنسوؤں کے گولے نے اس چاکلیٹ کے ٹکڑے کا ذائقہ میٹھے سے نمکین بنادیا۔

مہر نے دونوں چیزوں کو واپس رکھا اور اپنے بستر پر آ گئی۔ چند ہی دنوں میں اس کی شاداب رنگت کملا کر سرسوں جیسی ہوگئی تھی، آنکھوں کے گرد ہلکے نمایاں ہوگئے تھے، تھکن ایسی تھی کہ ایک قدم اٹھانا محال تھا۔ مہر نے خاموش پڑا موبائل اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کیا...... آنسو پھر سے سیل رواں کی طرح بہنے لگے۔

"یہ محبت ہے یا اذیت...... مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتی، اس سے تو میں ایسی ہی بھلی تھی، اپنے آپ میں مگن دنیا سے لاپرواہ۔" مہر نے آہ بھر کر پچھلے دنوں کو یاد کیا اور آنکھیں موند لیں۔

✿ ✿ ✿

دن بہت بے دلی اور سست رفتاری سے گزرنے لگے مشعال اب کہیں نظر نہیں آ رہا نہ ہی مہر کو فون کرتا، مہر بن جل کے مچھلی دکھائی دے رہی تھی۔ پورا ہفتہ ہوگیا مشعال کو خفا ہوئے، وہ منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بھی رکھ رہی تھی۔

"میں اسے دیکھے بنا، سنے بنا اتنی ادھوری ہوں اور وہ کتنا کٹھور بنا ہوا ہے، مجھے دیکھے بغیر سنے بغیر سکون سے بیٹھا ہے۔" مہر نے موبائل کی بند اسکرین کو بغور دیکھا، اب اس کا زیادہ وقت موبائل ہاتھ میں لے کر خود سے الجھتے گزرتا تھا۔ اچانک سیل فون تھرتھرایا اور اسکرین پر مشعال کا نام جلنے بجھنے لگا۔ مہر نے بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا اور جھٹ سے فون اٹھالیا۔

"ہیلو...... لو۔" مہر کی آواز لرزی تھی۔

"کیسی ہو مہر؟" مشعال نے پوچھا تو وہ پگھل کر بہنے لگی۔

"کیسی ہوسکتی ہوں...... اتنے دن میرا فون نہیں اٹھایا مجھے دکھائی نہیں دیئے۔ کچھ خیال نہیں کیا میرے دل کا۔" مہر معصوم سے انداز میں پھٹ پڑی۔

"ہمم...... تم نے کون سا میرے دل کا خیال کیا، میرے ساتھ کار میں بیٹھنے سے کون سے سانپ ڈس رہے تھے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو مہر خاموش ہوگئی۔

"یہ بات مناسب نہیں ہے مشعال۔"

"ہمارا بات کرنا بھی پھر مناسب نہیں ہے مہر...... میرا تمہیں روز دیکھنا بھی مناسب نہیں ہے۔" مشعال بھرا بیٹھا تھا۔

"مناسب اور نامناسب کے معیار تم خود سے کیوں اخذ کر کے بیٹھی ہو، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا مجھ سے روبرو

باتیں کرنے کا، میرے پاس بیٹھنے کا، مجھے چھونے کا؟"
مشعال نے جذباتی ہوکر کہا تو مہر ہکا بکا رہ گئی۔

"نہیں مشعال میری خواہش تو بس آپ سے بات کرنے کی ہے جو فون پر ہوجاتی ہے۔ آپ کو دور سے دیکھ لیتی ہوں بس یہی بہت ہے۔" مہر کی بات پر مشعال بے اختیار ہنس دیا۔

"اولیڈی...... آپ کس صدی میں رہتی ہو...... یہ دور دور سے دیکھنا اور ہوا کی لہروں پر بات کرنا کب سیر کرتا ہے، آج کے زمانے میں اتنی آکورڈ باتیں مت کرو۔"

"آکورڈ نہیں ہیں یہ باتیں...... آپ جو کچھ چاہتے ہیں وہ تو شادی کے بعد ہوتا ہے۔ مرد عورت کا گھل مل کر بیٹھنا باتیں کرنا، ایک دوسرے کو چھونا اور......" مہر کہتے ہوئے جھکی۔

"سب چلتا ہے آج کل...... یار شادی تک کون اٹھا رکھتا ہے۔" مشعال نے اکتا کر کہا۔

"ہم مطلب ہماری فیملی میں اٹھا رکھتے ہیں۔ میں نے یہی دیکھا ہے اور ہمارا دین بھی ایسی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔" مہر دھیمے سے بولی۔

"آپ مجھ سے شادی کرلیں پھر ہم ساتھ بیٹھ لیں گے۔" اس نے جھکتے ہوئے کہہ دیا۔

"ہاہا......" مشعال کا قہقہہ بے ساختہ تھا مہر شرمندگی سے سرخ ہوئی۔

"نہ پرکھا نہ بھالا فوراً شادی...... نہیں مہر میں انڈر اسٹینگ کے بغیر اس رشتے کا قائل نہیں ہوں۔" مشعال نے صاف الفاظ میں کہا تو مہر کا دل ٹوٹ گیا۔

"انڈر اسٹینگ تو اتنے دنوں سے جو پسندیدگی اور بات چیت ہمارے درمیان چل رہی ہے وہ کیا ہے پھر؟" وہ شکستہ آواز میں بولی۔

"یہ ابتدا ہے نادان لڑکی۔ ہمارے ریلیشن شپ کی شروعات، میرے بھائی نے بھابی کے ساتھ پورے دو سال ریلیشن شپ رکھا، ان دو سالوں میں وہ اکٹھے گھومے پھرے دن رات ایک دوسرے کے ساتھ رہے اندر باہر سے ایک دوسرے کو پرکھا تب جاکر شادی کا حتمی فیصلہ لیا۔" مشعال کی بات پر مہر چپ کی چپ رہ گئی۔

"دیکھو مہر جب تک بندہ کسی کو ڈیپلی انڈر اسٹینڈ نہیں کرے گا اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلے گا۔" مشعال نے اس کی خاموشی پر رسان سے کہا۔

"میں تم سے اپنی انڈر اسٹینگ ڈولپ کرنا چاہتا ہوں۔ جب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں گے تو پھر ہمارا آفٹر میرج ساتھ رہنا آسان ہوجائے گا۔" اس کا لہجہ بے حد نرم تھا مہر نے ایک سانس بھری۔

"آپ جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں یہ بات معمولی سمجھی جاتی ہے، ہماری مڈل کلاس میں نہیں، ہمارے یہاں سیدھا رشتہ بھیج کر نکاح کیا جاتا ہے۔" مہر نے آہستگی سے اپنا مطمع نظر بیان کیا۔

"مڈل کلاس اب ہائی کلاس سے زیادہ اوور ہوگئی ہے مہر...... تم نجانے کس دنیا میں رہتی ہو، اپنا سوچنے کا نظریہ بدلو سب کچھ آسان ہوجائے گا۔" مشعال پھر تیز ہوا مہر نے لب بھینچے۔

"برائی اور اچھائی کے پیمانے ہر دور میں ایک جیسے رہے ہیں یہ اور بات کہ ہم جان بوجھ کر ان سے صرف نظر کریں۔ مرد عورت کا فزیکلی ریلیشن شادی کے بعد ہی بہتر ہوتا ہے۔" اس بار وہ بولی تو لہجہ ہموار تھا۔

"مت کرو اتنی بڑی بڑی باتیں...... تمہارے معصوم سراپے پر سوٹ نہیں کرتیں۔" مشعال نے جیسے مذاق میں بات اڑائی۔

"تمہارا برتھ ڈے لنچ مجھ پر ڈیو ہے ڈیئر۔ کل تیار رہنا کالج سے تمہیں پک کرکے کسی اچھے سے ریسٹورینٹ میں کھانا کھانے لے چلوں گا تب تک کے لیے گڈ بائے۔" وہ استحقاق سے بولا اور فون کاٹ دیا۔ مہر گم صم ہوکر فون کو دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

اس رات مہر تا دیر روتی رہی...... تمام شب سوچتی رہی، کبھی اپنی نوزائیدہ محبت کی طرف اس کا دھیان جاتا

اور کبھی اپنے خونی رشتوں کی لازوال چاہت کی طرف، وہ بچپنے سے آج تک اپنے والدین کی طرف سے دی گئی محبت، اعتماد اور آزادی کو سوچتی رہی، اس محبت نے اسے عجب سا تحفظ اور قرار بخشا تھا، وہ ہمہ وقت پرسکون سی رہتی تھی، وہ بڑے سے بڑی پریشانی بھی مہر کے قریب نہ پھٹکنے دیتے، اسے اپنی ذات پر جھیل لیتے، ان کی چاہ تھی کہ مہر کو ہلکا سا کانٹا بھی نہ چبھے۔ مہر کے احساس کے کانچ کو وہ کسی متاع کی طرح سنبھالتے۔ اسے اداس دیکھ کر دونوں بے چین ہو جاتے اور اس کے برعکس مشعال کی محبت نے مہر کا اعتماد چھین لیا تھا۔ وہ ہمہ وقت مختلف واہموں کا شکار رہتی، مشعال کی خفگی کا خوف اسے چین نہ لینے دیتا، اس کی جدائی کا ڈر اسے بے قرار رکھتا، وہ سراپا اشک بن گئی تھی۔ چند لمحات کی خوشی ملتی اور پھر کئی دنوں کا غم۔

''یہ کیسا رشتہ ہے جس میں بے سکونی ہے، ناراضی کا ڈر ہے، ہمہ وقت بچھڑنے کا خوف ہے، رسوائی کے خدشے ہیں، بے تحاشا آنسو ہیں اور پھر مشعال کی بے حسی ہے کہ اس کو میرا ازرد چہرہ پریشان کرتا ہے نہ میرے اشک نظر آتے ہیں۔ اسے صرف اپنی خواہش سے مطلب ہے۔'' مہر نے آہ بھر کر سوچا۔

ہر مرد عورت کی زندگی میں ہیرو بن کر نہیں آتا کوئی ایک اس کی زندگی میں آزمائش بن کر بھی آتا ہے اور مشعال مہر پوش کے لیے انہی مردوں میں سے ایک تھا۔

❁......❁......❁

اگلے دن کالج جاتے ہوئے مہر کی چال ہموار تھی...... مشعال کے بنگلے کے آگے اس کی غیر موجودگی نے مہر کی آنکھوں کو گیلا نہیں کیا، کالج میں اس نے معمول کی کلاسز پوری حاضر دماغی سے لیں...... وہ چھٹی کے وقت سے دس منٹ پہلے باہر نکل آئی۔ حسب توقع چند قدم چل کر اس کو مشعال کی گاڑی ایک طرف کھڑی نظر آئی۔ وہ اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور وجیہہ۔ ہر فکر اور اندیشے سے عاری چہرے کے ساتھ۔ مہر پوش کو قریب آتے دیکھ کر اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ مہر کے کار میں بیٹھنے کا منتظر تھا، مہر کچھ اور نزدیک آئی تو ایک دلفریب مسکراہٹ نے مشعال کے لبوں کا احاطہ کیا۔

''آؤ بیٹھو مہر۔'' مشعال نے پراعتماد انداز میں اسے پیشکش کی، مہر نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور اسی بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ مشعال کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''مہر پوش......'' وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے ہم قدم آیا، مہر اسے نظر انداز کرکے چلتی رہی۔

''مہر رکو تو...... یار کیا بات ہے، مجھ سے ناراض ہو؟'' مشعال نے بے حد پریشانی سے مہر کو دیکھا۔ اسے پہلی بار مہر کی طرف سے بے نیازی کا سامنا کرنا پڑا تھا سو تشویش فطری تھی۔ مہر اس کی بات کا جواب دیئے بغیر آگے بڑھتی رہی، وہ دونوں چلتے ہوئے مشعال کے گھر تک آگئے جب مہر ایک جھٹکے سے رکی۔

''مسٹر مشعال...... آپ کا اور میرا ساتھ بس یہیں تک تھا، اب مزید میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔'' مہر نے مشعال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو مشعال کی سرمئی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

''لیکن کیوں......؟''

''مجھے میرا مذہب، میرا معاشرہ اور میرے ماں باپ اس کی اجازت نہیں دیتے۔'' مہر نے ہموار لہجے میں کہا۔ مشعال جواباً لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔ جس کا چہرہ اندرونی آگ سے سلگ رہا تھا۔

''اس نام نہاد انڈر اسٹینگ کے نام پر میں اپنا استحصال نہیں کروا سکتی، یہ بات آپ اپنے ذہن میں بٹھا لیں۔ آپ کو اگر مجھ سے سچی محبت ہے تو آپ سیدھے راستے سے مجھے اپنائیں۔ دوسری صورت میں ہمیشہ کے لیے میرے راستے سے ہٹ جائیں۔'' وہ سختی سے کہہ کر آگے بڑھی، مشعال کے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔ اس کی سوچتی نظروں سے مہر پوش کی پشت دیکھی پھر وہ سر جھٹک کر

اپنے گھر کا گیٹ کھول کر اندر گیا اور ایک دھماکے سے دروازہ بند کردیا۔

آگے بڑھتی مہر کی سماعت میں وہ آواز کسی قیامت کی طرح اتری۔ اس نے کرب سے اپنی آنکھوں سے بہتے پانی کے قطروں کو اوڑھنی میں جذب کیا اور مضبوط قدموں سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

❀......❀......❀

اس کی زندگی میں ایک قیامت آئی اور بنا چاپ کے گزر گئی مگر اس قیامت کے نقش پا مہر پوش کے دل میں ان مٹ نشان چھوڑ گئے، وہ روگی بن گئی، اس کی غلافی آنکھوں میں ہمہ وقت پانی کے قطرے ڈولتے رہتے، اس نے ہنسنا بولنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سوکھ رہی تھی خزاں رسیدہ پھول کی طرح...... اماں اس کی ہر چیز سے بددلی سے فکر مند ہوگئی، بابا بھی پریشان رہنے لگے۔

وہ اپنے جان سے پیارے رشتوں کی فکر مندی اور پریشانی دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی اس نے دانستہ دل پر جبر کرکے ہنسنا بولنا شروع کردیا، دھیرے دھیرے زندگی معمول پر آنے لگی۔ اس نے سیل فون کی سم نکال کر پھینک دی تھی، وہ کالج جانا شروع ہوئی لیکن اپنا رستہ بدل لیا تھا۔ وہ مشعال کے بنگلے کے سامنے سے گزرنا بھی نہیں چاہتی تھی، دل کی صاف سلیٹ پر مشعال نے سفید چاک سے ایک سیاہ لکیر کھینچ دی تھی جو مہر پوش کا وجود کاٹ گئی تھی۔ وہ ادھوری رہ گئی، اس کا اپنا وجود اسے کہیں کھو گیا، اس کے اندر مچلتے جذبے سرد ہوگئے اور اس کے سکون کے سہارے اس کے الفاظ اسے روٹھ گئے، اظہار کا ذریعہ چھن گیا تو اندر کی گھٹن نے اس کا گلا دبانا شروع کردیا، وہ سانس تو لے رہی تھی پر زندہ نہیں تھی، مشعال پھر اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ مہر کی بصارت بنجر اور دل سیم زدہ ہوگیا کہ نہ چاہنے کے باوجود وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی، دماغ کی ہزار ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود بس ایک نظر اور پھر یہ معصوم سی خواہش بھی بری طرح ٹوٹی جب اس نے مشعال کا بنگلہ بقعہ نور بنا دیکھا، وہاں کسی شادی کا ہنگامہ تھا کس کی شادی...... یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ رات مہر پوش کی زندگی کی اذیت ناک راتوں میں سے ایک تھی جس رات مشعال کے بنگلے سے بارات کی گاڑیاں نکلیں وہ اماں کے ساتھ خالہ کے گھر سے مغرب کے بعد گھر لوٹ رہی تھی اور راستے میں ان کو گاڑیوں کے ہجوم کا سامنا کرنا پڑا، خوشبوؤں اور قہقہوں کی بہار آئی ہوئی تھی، سجی بنی عورتیں باتیں کرتے سگریٹ پھونکتے مرد مہر پوش نے چادر سے اپنا آدھا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا، دل قابو سے باہر ہورہا تھا۔ وہ ادھر سے جلد از جلد گزر جانا چاہتی تھی پر برے نصیب اس جلد بازی میں وہ عین دلہا کی سجی ہوئی گاڑی سے ٹکرائی وہ گھبرا کر دور ہٹی تو سامنے کار کی فرنٹ پر بے نیازی سے سیل فون پر بات کرتے مشعال پر نظر پڑ گئی۔

دل کی دنیا میں قیامت برپا ہوئی، مہر پوش نے دھندلاتی ہوئی بصارت سے تیزی سے دوڑ لگائی اور اماں ہائے وائے کرتی رہ گئی اور وہ اندھا دھند دوڑتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

اور پھر زندگی بھی اس کے قدموں کے ساتھ دوڑتی رہی تھی، اس دن کے بعد مہر پوش نے سانسیں تو لیں پر کھل کر جی نہ سکی...... یہ اس کی دانست میں اس کی آخری بے وقوفی تھی اور اس کا اپنی ذات سے اپنے آپ کو پہچاننے والا آخری دکھ۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھوں کو مشعال کے لیے اشک بہانے سے اور اپنے ذہن کو اس کے متعلق سوچنے سے مکمل طور پر پابند کردیا یہ آسان نہیں تھا پر مہر پوش نے کر دکھایا تھا۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا مہر پوش نے تعلیم کے ساتھ اپنی شاعری بھی شروع کردی تھی، روٹھے الفاظ خفگی چھوڑ کر اس کے ذہن میں اترنے لگے، مہر پوش کو اپنی گھٹن نکالنے کی راہ ملی تو اس نے اپنے الفاظ کو پھر سے اپنا کتھارسس بنالیا، اس بار دل چوٹ کھائے ہوئے تھا سو لفظوں کا لاوا قلم سے ابل کر کاغذ پر سونا بن کر بہنے لگا تھا۔ وہ اس بار کمال شعر کہنے لگی تھی، اس نے سوشل میڈیا کا

سہارا لے کر اپنی کاوشوں کو وہاں چسپاں کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی شاعری نے وہاں ایک دھوم مچا دی تھی۔ دنوں اور مہینوں میں اس کے فالورز کی تعداد ہزاروں میں ہو گئی، باذوق لوگ اس کی صلاحیتوں کے معترف ہو گئے، اسے مشاعروں کے دعوت نامے ملنے لگے، مہر پوش نے شرکت کرنی چاہی تو اماں مزاحم ہوئیں پر بابا نے اسے بہ خوشی اجازت دے دی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتے تھے جوان چند سالوں میں بہت بردبار اور خاموش ہو گئی تھی۔ اماں نے کئی جگہ اس کے رشتے کی بات چلائی لیکن کسی نا کسی وجہ سے بات ختم ہو جاتی تھی، جہاں اماں بہت فکر مند ہوتیں وہاں مہر پوش شکر کرتی اس نے ماں باپ کو اپنی شادی کا اختیار تو دے رکھا تھا پر دل سے وہ ابھی شادی پر رضامند نہیں تھی۔ اس کے لیے اپنے الفاظ کا بہلاوا ہی کافی تھا، گریجویشن کے بعد اس نے کمیشن کا امتحان دیا جس میں کامیاب ہو کر وہ گورنمنٹ ٹیچر بن گئی، خود انحصاری نے مہر کو اور بھی خود اعتماد بنا دیا تھا۔ اسے اب دنیا کی پروا نہ رہی تھی، وہ اپنی ذات میں مگن رہنے لگی تھی پر اماں نے اس کی کنواری زندگی کا روگ اپنے دل پر لے لیا اور ایک رات چپکے سے وہ دنیا چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

اب گھر میں بابا اور مہر تنہا رہ گئے تھے، اداسیاں کچھ اور بڑھ گئی تھیں، مہر نے جاب اور مشاعروں کے ساتھ بابا کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ کمزور ہو گئے تھے پر بیٹی کی خوشی میں خوش تھے۔ مہر پوش آٹھ شعری مجموعوں کی مصنفہ بن گئی تھی، اسے بیرون ملک سے بھی مشاعروں کے دعوت نامے آنے لگے تھے، اس کا نام ایک مقام بن چکا تھا، وہ دور حاضر کی خوب صورت اور ذہین شاعرہ کی پہچان پا چکی تھی۔ اس کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ بکتی تھیں، نوجوان طبقہ بالخصوص اس کے انداز بیاں اور شاعری کا دیوانہ تھا۔

❁......❁......❁

آڈیٹوریم لوگوں سے بھرا ہوا تھا لیکن ہال میں مکمل خاموشی تھی، ڈائس پر مہر پوش کھڑی ہو تو ایسی خاموشی معمول کا حصہ تھی وہ جس ترنم میں اشعار پڑھتی اس کے لہجے کا رس کانوں میں گھولنے کے لیے زبانوں کو گونگا ہونا پڑتا تھا۔ اب بھی اپنے لفظوں سے لوگوں پر سحر طاری کرتی مہر پوش جسے وجد میں اشعار ادا کر رہی تھی کہ دفعتاً اس کی نگاہ دائیں طرف رکھے صوفہ پر بیٹھے شخص پر اٹھی اور ساکت ہو گئی۔ اس کے منہ سے ادا ہونے والے اشعار دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئے، مہر پوش جیسے گونگی ہو گئی تھی۔ ہال میں بے چینی پھیل گئی اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں، لوگ اس کی خاموشی پر حیران ہوئے۔ منتظم نے آگے بڑھ کر مہر کو متوجہ کیا تو وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' مہر نے آس پاس کا احساس کیا تو خفت زدہ ہو کر اسٹیج سے اتر آئی، وہ ایک بار پھر دھندلی بصارت سے دوڑتی ہوئی آڈیٹوریم کے پچھلے حصے سے باہر نکل گئی تھی۔ تازہ ہوا میں آ کر اس نے اپنی سانس بحال کی، بہتے اشک پونچھے اور خود کو کسی حد تک کنٹرول کیا۔

''وہ شخص میری زندگی سے نکل چکا ہے اسے میرے خیال سے بھی نکل جانا چاہیے۔'' مہر نے خود کو باور کروایا۔ ''وہ میرے ماضی کی ایک ناپسندیدہ یاد کے سوا کچھ بھی نہیں اور میں ایسی کسی یاد کو اپنے ذہن میں جگہ نہیں دوں گی۔'' اس نے قدم اٹھاتے ہوئے اپنا عہد دہرایا۔

''مہر پوش......'' اس آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔ مہر نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، مہر کے دماغ نے تنبیہ کی، وہ ضبط سے آگے بڑھی۔

''مہر میری بات سنو۔'' مشعال اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے پلیز راستہ دیں۔'' مہر نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''مجھے معلوم ہے، بہت معروف اور مصروف ہو گئی ہو پر میرے لیے چند منٹ نکال لو۔'' مشعال کے لہجے میں عجز تھا، مہر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا دلوں کو تسخیر کرنے کی حد تک وجیہہ۔

”کیا بات کرنی ہے؟“ مہر کے برف وجود میں مشعال کی تمازت شگاف ڈالنے لگی تھی۔
”کہیں چل کر بیٹھو پھر بتاتا ہوں۔“ مشعال نے کہہ کر قدم آگے بڑھائے، مہر کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے چل پڑی پھر چونکی خود کو ڈانٹا اور الٹے قدموں دوسرے راستے پر چلنے لگی۔
”مہر......“ مشعال نے کچھ دور جا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ مشعال کے اعصاب تن گئے اس نے غصے سے زمین پر پڑے ایک پتھر کو ٹھوکر ماری تھی۔

❁......❁......❁

زندگی پھر سے افسردہ ہوگئی تھی، مشعال کا دوبارہ دکھائی دینا اس کی سانسیں چھین رہی تھیں۔ پہلے مشعال نے اسے زندگی کی رمق چھینی اور اب اسباب زندگی چھیننے آ گیا تھا لیکن مہر کو اپنی سانسیں بحال رکھنی تھیں، بابا کی زندگی تک پھر جینے کی آرزو کسے تھی لیکن وہ خود کو کمزور پا رہی تھی، اسے بار بار مشعال کا خیال ستانے لگا تھا۔ وہ مشعال سے تصور میں لڑتی جھگڑتی اسے جھٹلاتی پر وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ مہر اس ذہنی جنگ سے نڈھال رہنے لگی۔ اس دن بھی وہ اسکول سے گھر لوٹی تو تھکی ہوئی اور بے حال تھی۔
نہ جانے بابا نے دوائی لے ہوگی یا بھول گئے۔ مہر نے بیگ اور چادر صوفہ پر رکھتے سوچا اور بابا کے کمرے میں آئی وہ خوش باش کسی سے باتیں کرتے نظر آئے، کون تھا وہ شخص جسے مل کر وہ ہنس رہے تھے۔ مہر تعجب سے قریب آئی ترچھے رخ پر بیٹھے بندے پر غور کیا اور سن رہ گئی۔
”مشعال......“ مہر زیر لب بڑبڑائی۔
”لو میری بیٹی بھی آ گئی۔ مہر بھئی یہ صاحب ہمارے پرانے علاقہ مکین ہیں، ادھر بڑی کوٹھیوں میں سے ایک میں رہائش پذیر ہیں، ان کے مرحوم بابا مشہور بزنس مین عبداللہ مطف تھے میں اچھی طرح جانتا ہوں بہت دیالو انسان تھے۔“ بابا مخاطب مہر سے تھے پر دیکھ مشعال کو رہے تھے۔
”جی میرے پاپا بہت سخی تھے پر افسوس ان کی زندگی بہت کم لکھی تھی۔“ مشعال نے مغموم لہجے میں کہا۔
”بس بیٹا جو مالک کی رضا۔“ بابا نے اسے تسلی دی۔
”مہر بٹیا...... یہ تمہاری شاعری کے فین ہیں، تم سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔“ پھر انہوں نے مہر کو جوش سے بتایا ان کے لیے مہر کے فینز کا گھر تک آنا خوشی کی بات تھی، مہر کو اگرچہ فین فالونگ میں کمنٹس اچھی لگتی تھیں پر کچھ من چلے نوجوان لڑکے لڑکیاں اس کے گھر تک چلے آتے تھے تو بابا ان سے بہت پیار سے ملتے، وہ خود بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں تھے پر خانساماں سے مقدور بھر خاطر داری کرواتے۔
”السلام علیکم!“ مہر نے سنجیدگی سے سلام کیا اور صوفہ پر بیٹھ گئی۔
”وعلیکم السلام! کیسی ہیں مہر پوش؟ اس دن آپ سے بات نہ ہوسکی سوچا آپ کے گھر پر ہی ملاقات کر کے آجاتے ہیں۔“ مشعال نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ذو معنی بات کی۔
”میں گھر پر چلے آنے والے فینز کو پسند نہیں کرتی کیونکہ گھر میں شاعرہ نہیں ایک عام لڑکی اور بابا کی بیٹی ہوں بس۔“ مہر نے تنتے ہوئے لہجے میں کہا تو جہاں مشعال کو ناگوار گزرا وہیں بابا نے بھی تادیبی نظروں سے اسے دیکھا۔
”بیٹی اس طرح نہیں کہتے۔“ بابا نے دبے الفاظ میں کہا۔
”کہنے دیں بزرگوار یہ ہر طرح کی بات کرسکتی ہیں غصہ دکھانے میں حق بہ جانب ہیں۔“ مشعال نے رسان سے کہا تو بابا اس کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہوئے۔
”نہیں بیٹا بس تھکی ہوئی ہوگی ورنہ میری بیٹی بداخلاق ہرگز نہیں، آپ اسے جو شعری مجموعہ آٹو گراف کے ساتھ لینا چاہتے ہو لے لو۔“ بابا کی بات پر مہر نے چونک کر مشعال کو دیکھا تو وہ یہ بہانہ بنا کر یہاں بیٹھا تھا۔

"جی...... مہر مجھے آپ کا شعری مجموعہ خس وخاشاک اور نیل گگن کا چاند آپ کے خوب صورت آٹوگراف کے ساتھ چاہیے۔" مشعال نے استحقاق سے فرمائش کی تو مہر چین بہ جبیں ہوئی پر ناچار اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور شیلف میں رکھے اپنی کتابوں کے ڈھیر کو کنگھالنے لگی پھر وہ مطلوبہ کتابیں نکال کر پلٹی تو اپنی جھونک میں پیچھے کھڑے مشعال سے ٹکرا گئی۔

"اوہ سوری...... لگ گئی کیا؟" مشعال نے اسے اپنا ماتھا مسلتے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"لگی تو بہت پہلے تھی اب تو درد بھی نہیں رہا۔" مہر کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"درد تو ہمیشہ کسک دیتا ہے مہر۔" مشعال نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اور درد دینے والا؟" مہر نے تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"میرا مطالبہ اتنا ناجائز بھی نہیں تھا مہر جتنا اس وقت تم نے ری ایکٹ کیا تھا۔" مشعال نے اس کا اشارہ سمجھ کر ماضی دہرایا۔

"آپ کی کلاس میں یہ عام بات ہوگی۔" مہر نے سلگ کر کہا۔

"تمہاری کلاس میں یہ بڑی بات ہی سہی پر تم نے بہت آسانی سے مجھے رد کردیا تھا مہر۔" مشعال نے شکوہ کیا۔

"اور آپ نے اس کے بعد مجھے باآسانی بھول کر شادی رچالی۔" مہر نے جواباً شکایت کی۔

"تو کیا کرتا؟" مشعال نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"مجھے میری رائٹ وومن مل گئی تھی مہر جس نے تمہاری طرح میرے ساتھ شادی سے پہلے ٹائم اسپنڈ کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔" پھر اس نے دھیمے سے اعتراف کیا۔

"ہمم...... تو آپ اپنی رائٹ وومن پلس بیٹر ہاف کے ساتھ خوش رہیں یہاں میرے پاس زخمی یادیں دہرانے کیوں آئے ہیں؟" مہر کے اندر ایک جلن سی جاگی۔

"میں نے تھی کا لفظ استعمال کیا ہے، مہر مجھے لگا وہ میری رائٹ وومن ہے لیکن بہت جلد مجھے احساس ہوگیا یہ میرا رونگ ڈیسیشن تھا۔" مشعال نے ایک سانس بھر کر کہا۔

"میری شادی بس چند سال چلی۔"

"اوہ......" مہر کے جلتے دل پر ٹھنڈی سی پڑی۔

"مجھے غم کا تحفہ دے کر تم بھی خوش نہیں رہے مشعال اور یہ تو ہوتا ہے قدرت آپ کو وہی لوٹاتی ہے جو آپ دوسروں کو دیتے ہو۔" مہر نے سوچا۔

"اب میرے پاس آپ کیا لینے آئے ہیں؟" مہر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ کتابیں۔" مشعال نے اس کی ہاتھوں میں لی ہوئی دو کتابیں لیں۔ مہر ایک دم مایوس سی ہوئی شاید اسے کچھ اور سننے کی توقع تھی۔

"وہ کیا ہے ناں مہر تمہارے شعروں میں میرا ذکر اتنے تواتر سے ہے کہ میں ان الفاظ میں پنہاں محبت کی شدت کو محسوس کر کے تمہیں کھو دینے اور تمہارے پاس آنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔" مشعال نے کتاب پر ہاتھ پھیرتے مہر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو مہر ساکت سی رہ گئی۔

"نن...... نہیں۔" وہ اس کی بات کی نفی کرنا چاہتی تھی مگر حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

"تمہاری ہر نظم، ہر غزل میں میری جدائی کا نوحہ ہے مہر مجھ سے بچھڑنے کی داستان۔" وہ خس وخاشاک کے صفحے پلٹتے بہت یقین سے کہہ رہا تھا۔ مہر اسے جھٹلانا چاہتی تھی پر جھٹلا نہ سکی۔

"اب یہ نظم دیکھ لو

زندگی کے نصاب میں محبت کی جو ایک کتاب ہے
اس کے ایک صفحے پر میری وفا درج ہے
تم کو گر فرصت ملے تو اس کو ضرور پڑھ لینا
بوسیدہ سا ایک ورق ہے بے ربط سی تحریر ہے
مٹے مٹے سے لفظ ہیں میرے دل کی ہے یہ داستاں
جو زباں سے کبھی نہ بیاں ہوئی

جوانا کے پردے میں چھپی رہی
میرے اندر کہیں بسی رہی
جس کو قلم کھل کر نہیں ہے لکھ سکا
جس کو کاغذ بھی نہیں ہے سہہ سکا
میرے جذبوں کی سسکاریاں جو گونجتی ہیں حرف حرف
اسے شاید تم نہ سمجھ سکو اسے شاید تم نہ سن سکو
مگر پڑھ کر لمحہ بھر کو سوچنا کہ ایک نادان لڑکی نے
دل کی تمام تر سچائی سے کتنا تم کو چاہا ہے
ہاں..... زندگی کے نصاب میں محبت کی جو ایک کتاب ہے
اس کے ایک صفحے پر میری وفا درج ہے
تم کو گر فرصت ملے تو اس کو ضرور پڑھ لینا"

مشعال نے اپنی بھاری آواز میں مہر کی لکھی ہوئی نظم بہت ڈوب کر پڑھی اور پھر اسے گہری نگاہوں سے دیکھا، ان نگاہوں میں اس نظم میں اپنے وجود کے ہونے کا اتنا ایقان تھا کہ مہر بے بس سی ہو کر نظریں چرانے لگی۔

"آپ میرے دل کے کورے کاغذ پر تحریر کیا گیا محبت کا پہلا حرف تھے مشعال جسے آپ نے خود ہی بے دردی سے مٹا ڈالا تھا۔" مہر نے دھیمے سے اعتراف کیا۔

"محبت کا حروف مٹتے نہیں ہیں مہر، تمہارے دل سے وہ کاغذ پر منتقل ہو گئے ہیں اور پھر کاغذ سے میرے دل تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔" مشعال نے اس کی کتاب بند کر کے اپنے سینے سے لگا لی۔

"آپ کو اس وقت میری محبت کا احساس نہیں ہوا جب میری نگاہیں اعتراف کرتی تھیں اب برسوں بعد ان کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھی سچائی آپ نے پہچان لی۔" مہر نے دکھ سے کہا۔

"ہر جذبے کو پہچاننے کا ایک وقت ہوتا ہے مہر تب شاید مجھ میں سچی محبت کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں تھی، میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان دنوں مجھے دل اور جذبات سے زیادہ تمہارے حسین وجود میں دلچسپی تھی، مجھے تمہیں پانے کی خواہش تھی، تمہاری محبت کو نہیں۔" مشعال نے صاف گوئی سے کہا مہر کا نازک دل ٹوٹ سا گیا۔

"تب آپ کو ایک غیر معروف معصوم سی لڑکی کے بھرپور جذبے نظر نہیں آئے، آپ انہیں روند کر آسانی آگے بڑھ کر کسی اور طرہ دار دوشیزہ کے اسیر ہو گئے اور اب ایک مشہور شاعرہ کے لکھے ہوئے الفاظ سے محبت کے جذبے کھوجتے ہوئے میرے پاس چلے آئے ہیں تاکہ دنیا کو یہ باور کروا سکیں کہ دیکھو لوگوں یہ تمہاری معروف شاعرہ جس کے لکھے ہر شعر پر تم سر دھنتے ہو وہ اشعار مجھ پر لکھے گئے ہیں، یہ نظمیں نہیں ہیں میری محبت کے نوحے ہیں، ان لفظوں سے جس اجنبی کا عکس ابھرتا ہے وہ شخصیت میں ہی ہوں۔ یعنی اصل داد کا حق دار میں ہی ہوں۔" مہر پوش نے اپنے سینے پر بازو لپیٹ کر بہت چبھتے لہجے میں کہا۔ مشعال بے اختیار خفیف سا ہوا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے مہر..... میں تمہاری مشہوری میں حصے دار بننے نہیں آیا، مجھے ان اشعار سے تمہاری محبت کی خوشبو آئی جو مجھے تمہارے پاس آنے پر مجبور کر گئی، نہ میرا مقصد دنیا کو بتانا ہے نہ تمہاری فین فالوونگ چرانا ہے۔" اس کی بات پر مہر خفیف سی ہوئی۔

"تمہارے ٹوٹے ہوئے دل پر میں معذرت کے بے معنی لفظوں سے مرہم نہیں رکھوں گا، میں جانتا ہوں وقت گزرنے کے بعد زخموں پر مرہم بے فائدہ رہتا ہے کیونکہ ان پر کھرنڈ جم جاتی ہے، میں اس کھرنڈ پر اپنے بلس سے پیار رکھنا چاہتا ہوں میں تمہاری زندگی میں شامل ہو کر اپنے زیادتی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں..... میرا پرپوزل قبول کرو گی مہر؟" مشعال نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو مہر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

برسوں سے دبے اشک آنکھوں کے کناروں سے بہنے لگے۔

"آہ..... ہماری خواہش، ہماری طلب قبولیت کی سیڑھیاں چڑھنے میں اتنی دیر لگاتی ہے کہ جذبے نڈھال اور آنکھیں ویران ہو جاتی ہیں۔" مہر پوش کا دل کرلایا۔

''کیا برا تھا اگر دل کو وقت پہ یہ خوشی مل جاتی۔'' اس نے سرد سانس بھری۔

''ایک بات تو طے ہے مہر کہ تم میری محبت کو کسی اور محبت سے ری پلیس نہیں کرسکتی، نہ مجھے بھلا سکتی ہو اور نہ مجھے تم سے بہتر کوئی چاہنے والی اور وفا شعار عورت مل سکتی ہے۔ تمام عمر نارسائی کی تڑپ دل میں رکھنے سے بہتر ہے ہم ایک دوسرے کو اپنا لیں۔'' مشعال نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا، مہر برف سے پانی بننے لگی۔ اس کی ترستی آنکھیں اپنے اولین خواب کا عکس پلکوں میں سجانے کو بے تاب ہوئیں پر مہر نے انہیں سختی سے میچ لیا۔

''میں نگر نگر پھرا ہوں مہر...... بہت خاک چھانی ہے، پیروں میں آبلے سے پڑ گئے ہیں لیکن دل کی بے چینی کو قرار نہیں ملا، تمہارے قرب میں جو سکون محسوس کیا ہے اس کی کس شدت سے تلاش تھی تم نہیں جان سکتیں...... مجھے مایوس مت لوٹانا مہر ورنہ اس بار ظالم میں نہیں تم کہلاؤ گی، یہ بے چینی جو تمہیں مسترد کرنے کے بعد میرا مقدر بنی تمہارا نصیب بن جائے گی۔'' مشعال کے لہجے میں اتنی لجالت تھی کہ مہر آنکھیں کھول کر بس اسے دیکھتی رہی۔

''میں تمہارے مثبت جواب کا منتظر ہوں مہر۔'' مشعال نے بدستور اس کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

''کیا میں ان ہاتھوں سے اپنے ہاتھ ہمیشہ کے لیے چھڑا سکتی ہوں؟'' مہر نے تصور کیا اور لرز اٹھی۔

''نہیں......'' وہ اونچی آواز میں چیخی، مشعال مایوسی کی انتہا پر جا پہنچا۔

''او کے مہر جیسی تمہاری منشا۔'' اس نے نرمی سے مہر کے ہاتھ چھوڑ دیئے، مہر کا دل کٹ کر رہ گیا۔ مشعال افسردگی سے پیچھے پلٹا مہر نے بے بسی سے اسے خود سے دور ہوتے دیکھا۔

''مش...... عال......'' وہ بے قراری سے پکاری، مشعال ٹھٹک کر رکا پھر پلٹا۔

''اگرچہ تمہاری بے وفائی قابل معافی نہیں پر میری محبت کا دامن بہت وسیع ہے...... میں تمہیں تمہاری تمام تر کج ادائی سمیت قبول کرتی ہوں۔'' مہر نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی، مشعال مسرت آمیز حیرت سے اس کی طرف بڑھا۔

''مہر...... میری مہر، تھینک یو سو مچ...... تم سوچ نہیں سکتی مجھے تمہارے الفاظ نے کتنی خوشی بخشی ہے۔'' مشعال نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرشار لہجے میں کہا، مہر مسکرا دی ایسی مسکراہٹ جو آنسوؤں سے پر ہوتی ہے، یہ اشک غم کے نہیں شکر گزاری کے تھے۔

اس نے اپنے رب سے صرف ایک ہی شخص کی طلب کی تھی یہ طلب گونگی تھی پر مہر کا رب اس کی خواہش سے باخبر تھا، وہ اس کے دل کے مکین کو اس کے مکان تک کھینچ لایا، مہر نے مشعال کی طرف جاتے چور اور ناجائز راستے ترک کیے تو وہ مشعال کو بے بس کر کے سیدھے راستے سے لے آیا اگرچہ اس محبت کو تکمیل تک پہنچنے میں برسوں لگے تھے، دکھ، نارسائی اور بے وفائی کی تکلیف بہت اذیت بھری تھی، مہر پل پل ٹوٹی تھی، پل پل بکھری تھی پر ٹوٹی بکھری ہوئی مہر کو پھر سے جوڑا گیا تھا اور قدرت یہی تو کرتی ہے، ہمیں آزما کر پھر نوازتی ہے۔ مہر بھی آزمائی گئی تھی پر مہر کو کوئی شکوہ نہیں تھا اس آزمائش نے اسے سنوار کر کندن بنا دیا تھا۔ قدرت نے اس کا بھرم رکھا تھا، اس بار اسے مشعال کی نہیں مشعال کو اس کی طلب تھی تو وہ کیوں اسے مایوس لوٹاتی، جب خدا بھی انسان کو مایوس نہیں لوٹاتا دیر سے ہی سہی اسے نوازتا ضرور ہے۔ مہر پوش نے اپنے دل میں جلتا افسردگی کا دیا بجھا دیا اور ہر بار چراغ بجھانے مقصد اندھیرا پھیلانا نہیں ہوتا۔ کچھ چراغ متبادل روشنی دیکھ کر بھی بجھا دیئے جاتے ہیں، کچھ چراغ روشن خواب دیکھنے کے لیے بھی بجھا دیئے جاتے ہیں۔

اعتبار کا موسم

مہوش اسد شیخ

بزم خیال میں تیرے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی
جب تجھے یاد کرلیا، صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا، رات مچل مچل گئی

اطلاعی گھنٹی کی آواز پر ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاتا ہاتھ ساکت ہوا، سرخ لپ اسٹک سے مزین ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ آٹھہری۔

''حمزہ آگئے۔'' سرعت سے ہونٹوں پر لپ اسٹک کا ایک کوٹ مزید لگایا، آئینے میں آخری بار اپنا جائزہ لیا۔ گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

''توبہ ہے دو منٹ انتظار نہیں ہوتا ان سے۔'' سر پر نزاکت سے دوپٹہ ٹکاتے ہوئے وہ مرکزی دروازے کی طرف لپکی۔

دروازہ کھولتے ہی لبوں کی مسکراہٹ ہوا ہوگئی۔ مارے حیرت کے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آنکھوں کی مستی، خوف میں بدل گئی۔ حمزہ کی محبت میں جھومتا دل، کسی انجانے خوف سے کانپ اٹھا تھا۔

☆☆☆

''نگینہ آپا نے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔'' ثروت نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کی سماعتوں پر گویا بم پھوڑا تھا۔ موبائل کے ساتھ مصروف علینہ کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر گود میں آگرا تھا۔ وہ گردن موڑے، حیران و پریشان سی، ماں کی صورت دیکھے جارہی تھی۔

''میں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا۔ تمہارا فیصلہ حتمی ہوگا، لیکن فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا۔'' ثروت، بیٹی سے نگاہیں چرا گئی۔

''سوچنا کیا ہے، اسی وقت صاف جواب دے دینا چاہیے تھا آپ کو۔ میرا فیصلہ آپ بخوبی جانتی تو ہیں۔'' علینہ نے دوٹوک انداز میں کہہ کر ایک بار پھر موبائل اٹھا لیا۔

''جہاں تم چاہتی ہو، وہاں سے ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ سیریس ہے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ثروت کا لہجہ درشت ہوگیا۔ ''اپنے بھتیجے پر اعتبار نہیں، کمال ہے اماں۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''تم کہتی ہو تو بھتیجے پر اعتبار کرلیتی ہوں لیکن اپنی بھابی کو بھی بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ایک یتیم لڑکی کا ہاتھ مانگنے کبھی نہیں آئیں گی۔'' ثروت کا لہجہ مزید تلخ ہوا۔

''مجھے آخری بار اس سے بات کرلینے دیجیے۔'' علینہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی اور ثروت دل مسوس کر رہ گئیں

کہ بیٹی کو کیسے سمجھائیں کہ وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔

☆☆☆

وہ موبائل فون کان سے لگائے کمرے میں اضطرابی کیفیت سے دو چار ادھر سے ادھر چکر لگائے جا رہی تھی۔ بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے موبائل کان سے ہٹا کر عجلت میں ایک بار پھر کال ملائی، اس بار بھی ناکامی کا سامنا ہوا۔

"کہیں اماں کا شک درست تو نہیں، وہ...... مجھے دھوکا تو نہیں دے رہا۔" اس خیال کے آتے ہی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ چند ثانیے موبائل فون کی کالی ہوتی اسکرین کی طرف دیکھتی رہی پھر غصے میں بستر پر پٹخ کر وہیں بیڈ کی پائنتی پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر رو چکی تو ایک بار پھر موبائل اٹھا لیا۔

"اظہر آئی وانٹ ٹو میٹ یو۔" میسج لکھ کر بھیج دیا۔ کچھ دیر جواب کا انتظار کیا لیکن وہ آن لائن ہوتا تو جواب آتا نا۔

تمام وسوسوں کو جھٹک کر وہ الماری کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔

"ایک بھی ڈھنگ کا جوڑا نہیں میرے پاس۔" سارہ الماری کھنگالنے کے بعد کوفت زدہ لہجے میں بولی۔

"وہ کالا جوڑا کہاں ہے جو نگینہ خالہ لے کر آئی تھیں۔" یاد آنے پر وہ ایک بار پھر الماری کا حشر بگاڑنے میں جت گئی۔ بالآخر آدھے گھنٹے کی مشقت کے بعد الماری کے دوسرے حصے سے شاپر میں بند وہ جوڑا مل ہی گیا۔ کلمہ شکر ادا کرتے وہ سوٹ کا معائنہ کرنے لگی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، اس کے پاس برینڈڈ جوڑے وہی چند ایک تھے جو خالہ نگینہ ہی لائی تھیں یا ایک بار اظہر نے لے کر دیا تھا۔ چچی کو معلوم ہوا تو اچھی خاصی باتیں

سناڈالی تھیں۔ اسے غربت اور یتیمی کا طعنہ دینے سے بھی باز نہ رہی تھیں۔ تب سے وہ جوڑا جوں کا توں رکھا تھا، اس کی انا نے پہننا گوارا نہ کیا تھا۔ موبائل کی بپ پر وہ چونک گئی اور فوراً بیڈ کی طرف آئی۔ اسکرین پر اظہر کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کا سارا غصہ جاتا رہا۔

''کہاں تھے، میں کب سے کال کررہی تھی۔'' کال اٹینڈ کرتے ہی مصنوعی خفگی دکھائی۔

''بہت تھکا ہوا تھا، آفس سے آتے ہی سو گیا، ابھی ابھی اٹھا ہوں، اٹھتے ہی تمہیں کال ملالی۔'' اظہر نے فوراً سے پیشتر اپنی صفائی پیش کردی۔

''تم سے ملنا چاہتی ہوں، بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''خیر تو ہے۔ ابھی بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے۔'' اظہر پریشان ہوا۔

''بات فون پر نہیں ہوسکتی، مل کر ہی بتاسکتی ہوں۔ کل اکیڈمی سے واپسی پر تم مجھے پک کرلینا۔'' اس نے کہہ کر رابطہ منقطع کرنے کے بعد فون آف کرکے ایک طرف رکھ دیا، جانتی تھی کہ وہ اپنی متجسس طبیعت کے باعث بات جاننے کے لیے ضد کرتا رہے گا۔

☆......☆......☆

مقابل اپنی نگاہیں اس پر مرکوز کیے مسلسل مسکرارہا تھا اور وہ تکلفاً بھی نہ مسکراپائی تھی۔

''کیوں آئے ہو تم یہاں؟ منع کیا تھا ناں کہ کبھی اپنی صورت مت دکھانا۔'' وہ کہنے ہی والی تھی کہ پیچھے حمزہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

''ارے آپ لوگ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں، علینہ یار! حد ہوتی ہے بھئی، مہمان کو یوں گرمی میں باہر کھڑا کر رکھا ہے۔'' حمزہ نے کولڈ ڈرنک کا لفافہ اسے تھماتے ہوئے پیار بھری ڈانٹ پلا ڈالی۔ وہ چونک کر پرے ہٹ گئی۔ حمزہ اور اظہر رستہ پاکر اندر داخل ہوگئے۔

''بیگم! بہت بھوک لگی ہے، جلدی سے کھانا لگادو۔ اظہر میاں چونکہ تم بنا اطلاع دیئے آئے ہو تو اب گھر میں جو بھی پکا ہوا، صبر شکر کرکے کھالینا۔'' حمزہ اسے کھانا لگانے کا کہہ کر اظہر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میں کھانا کھانے تھوڑی آیا ہوں، میں تو ملنے آیا ہوں، کتنا عرصہ ہوگیا تم لوگوں کی صورتیں دیکھے ہوئے، دل بے چین تھا ملنے کو۔'' اظہر نے کہتے ہوئے ذومعنی نگاہ علینہ پر ڈالی تو اسے اپنی رگوں میں خون منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ ان نگاہوں سے بچنے کے لیے وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''جب تک علینہ کھانا لگاتی ہے، ہم دونوں فریش ہوجاتے ہیں۔'' حمزہ نے اظہر کو واش روم کی راہ دکھائی۔

☆......☆......☆

''اظہر میرا رشتہ آیا ہے۔'' علینہ نے ریسٹورنٹ کی آرام دہ کرسی پر بیٹھتے ہی بلاتمہید کہہ دیا۔

''رشتہ...... کہاں سے آیا ہے۔'' آنکھیں سکیڑے، تیوری چڑھائے استفسار کرنے لگا۔

''خالہ نگینہ نے مانگا ہے حمزہ بھائی کے لیے۔'' اس نے دانستہ بھائی کا لفظ استعمال کیا تھا۔

''اووو...... اچھا! پھر تو کوئی مسئلہ نہیں، کردو ہاں۔'' اظہر کی پیشانی کے بل غائب ہوگئے، اب وہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا۔ میرا رشتہ آیا ہے اور تمہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔ تم آخر چاہتے کیا ہو، آج صاف صاف بتا ہی دو مجھے؟'' آس پاس بیٹھے لوگوں کی پروا کیے بنا وہ چیخ کر بولی تھی۔

اظہر نے فوری اپنا ہاتھ، میز پر دھرے اس کے ہاتھوں پر رکھ کر اسے کول ڈاؤن کرنا چاہا، ایک جھٹکے سے علینہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سنو۔'' وہ کن

پروٹوکول دیا تھا سوخوب سینہ چوڑا کر کے کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔
"اب آ ہی گئے ہو تو آپ بھی کھالو کھانا...... اب ایسے دیکھتے رہو گے کیا؟ ویسے بھی میری اماں اگر زندہ ہوتیں تو کہتیں بیٹا تمہیں نظر جلدی لگ جاتی ہے۔" شاہ جہان کے بے نیازی سے کہنے پر عمر کی تو تیوری چڑھ گئی مگر مومن بے ساختہ ہنس دیا۔
"بالکل بجا فرمایا شاہ جہان نے...... کھالو بھئی، تم نے کہاں ایسے کھانے کبھی کھائے ہوں گے جو آج تمہیں شاہ جہان کے نصیب سے مل رہا ہے۔" مومن نے سالن کی ڈش عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو حیرت سے کبھی سالن کی ڈش اور کبھی شاہ جہان کی پلیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں بوٹیوں کا پہاڑ بنا کر اس نے سالن کی ڈش تقریباً خالی کردی تھی۔ طویل سانس لیتے ہوئے اس نے ڈش میں بچا ہوا شوربہ اپنی پلیٹ میں نکالا۔
"ہاں تو مومن بھائی! واپسی کا کیا پروگرام ہے؟ مجھ سے تو اب چلا بھی بہ مشکل جاتا ہے، مجھے بھی بائیک پر لے چلنا، گھر سے ایک اسٹاپ پہلے اتار دینا۔ ہماری مالکن بڑی سخت ہیں ارے، غیروں سے تعلقات کے حوالے سے۔" شاہ جہان نے عمر کو دیکھتے ہوئے خصوصی طور پر جتایا تھا، نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ مومن کے دوست پر اس کا بڑا رعب پڑ رہا ہے۔
"ارے شاہ جہان بیٹھو بھئی کیا جلدی ہے جانے کی، بات تو سنو جس کے لیے تمہیں اتنی پریشانی اٹھا کر بلایا ہے۔" اس نے کھانے کے خالی برتنوں کی طرف اشارہ کیا جو شاہ جہان نے بڑی صفائی سے صاف ستھرے کر دیے تھے۔
"جلدی بولو مومن بھائی، میرا وقت بڑا قیمتی ہے...... آگے مجھے ایک ایک منٹ کا حساب دینا ہوتا ہے۔" اس نے

انکھوں سے ادھر ادھر دیکھتا یکدم سنجیدہ ہوگیا۔

"اماں کو تو تم بہت اچھی طرح جانتی ہو، وہ یہ رشتہ کبھی نہیں کریں گی اور اگر میں انہیں کسی نہ کسی طرح راضی کر بھی لوں تو وہ ہر وقت تمہیں ذلیل کرتی رہا کریں گی، محبت کا یہ استحصال مجھ سے برداشت نہ ہوگا۔"

"تو کیا مجھے کسی اور کے ساتھ برداشت کرسکو گے۔" علینہ نے اس کی بات کاٹی۔

"پالینے کا نام محبت نہیں ہے میری جان، تمہیں اپنا کر رسوا کروں گا تو ہر وقت احساس جرم میرے ساتھ رہے گا۔ تم حمزہ کے گھر میں آرام سے رہو گی۔ وہ ایک اچھا انسان ہے اور پھوپو نگینہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں تم وہاں بہت خوش رہو گی۔"

"کیسی باتیں کررہے ہو اظہر، ہماری محبت کا کیا ہو گا؟" درد بھرے لہجے میں ایک بار پھر اس کی بات اچک لی۔

"یہ محبت ہمیشہ سلامت رہے گی۔ میں تم سے ملنے آتا رہوں گا۔ تم میری کزن ہو اور دوسری طرف حمزہ بھی میرا کزن اور دوست بھی ہے، دکھاوا اس سے ملنے کا ہوگا، ساتھ میں دیدار یار بھی ہوجایا کرے گا۔ ایک ٹکٹ میں دو دو مزے۔" اظہر نے آنکھ دبا کر لوفر انداز میں کہا تو اس کا تن بدن سلگ اٹھا۔ دل چاہا کہ یہ آنکھ پھوڑ ڈالے، ایسی گھٹیا باتیں کرنے والی زبان گدی سے کھینچ لے، اسے جان سے ہی مار دے لیکن دماغ نے سرزنش کی۔ وہ خاموشی سے اسے سنتی رہی۔ جوس کا گلاس حلق میں اتار کر دماغ ٹھنڈا کیا اور اسی خاموشی سے گھر آگئی۔

"آپ خالہ نگینہ کو ہاں کردیجیے۔" وہ پرس صوفے پر ڈال کر بیٹ پوجا کی غرض سے کچن میں داخل ہوئی۔

"اس کی طرف سے جواب ہوگیا ہے کیا؟" ثروت کا اشارہ اظہر کی طرف تھا۔

"نہیں...... جواب میری طرف سے ہوا ہے۔" اس

نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور کھول کر ہونٹوں سے لگالی۔

''وجہ جان سکتی ہوں۔'' ثروت نے کھوجتی نگاہوں سے سوال کیا۔

''نہیں...... کھانا ملے گا بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں انکار کرکے اب اپنا مطالبہ کررہی تھی، شاید یہ موضوع بدلنے کی کوشش تھی۔ ثروت کی طرف سے کوئی ردعمل نہ پاکر وہ خود ہی آگے بڑھ کر دیگچی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''آلومٹر...... کیا ہے اماں! آلومٹر بھی کوئی پکانے کی چیز ہے، پتلے شوربے میں تیرتے یہ برائے نام آلو اور مٹر۔'' منہ بسورے، اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا سالن نکالا جس سے روٹی زہر مار کی جاسکے۔ ہاٹ پاٹ سے روٹی لی اور باہر لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے جابیٹھی۔

......☆☆☆......

''یار کھانا لگ چکا ہے اور تمہارا ہار سنگھار ہی مکمل نہیں ہورہا۔'' حمزہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی مصنوعی خفگی دکھائی جہاں اظہر آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش چلائے جارہا تھا۔

''بس یار! بال سیٹ کرکے آ ہی رہا تھا۔'' اظہر نے مست انداز میں جواب دیا۔

''اچھا بس چھوڑ دے اب ان بالوں کی جان، میری بھوک سے جان نکل رہی ہے۔'' حمزہ نے اس کے ہاتھ سے برش اچک کر میز پر ڈالا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

''واہ! کیا خوشبو ہے۔'' میز کے قریب پہنچ کر اظہر نے گہری سانس کھینچ کر کھانے کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔ اس کے اس انداز پر حمزہ مسکرادیا۔

علینہ ٹھنڈے پانی کا جگ میز پر رکھ کر تیزی سے کچن میں گھس گئی۔ اظہر کا سامنا کرنے سے کترارہی تھی۔

''یار باقی سب کہاں ہیں؟'' اظہر نے کرسی پر بیٹھتے ہی ادھر ادھر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''امی تو مینا باجی کی طرف گئی ہوئی ہیں دو تین دن تک آئیں گی۔ تم کھانا شروع کرو میں علینہ کو لے کر آتا ہوں۔'' حمزہ سالن کا باؤل اس کی طرف کھسکا کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

......☆☆☆......

اظہر کے بھونڈے دلائل سے وہ دلبرداشتہ ہوئی اور بروقت سنبھلتے ہوئے اس نے اماں سے کہہ کر جھٹ منگنی پٹ بیاہ کروالیا تھا۔ پھوپو نگینہ تو پہلے ہی یہی چاہتی تھیں۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ چند دنوں میں ہی اس کے لیے دنیا جہاں کی شاپنگ کرڈالی تھی۔ اماں کو ایک سوئی تک نہیں خریدنے دی تھی۔

نکاح نامہ پر دستخط کرنے سے پہلے ہی اس نے اپنا فیس بک اکاؤنٹ ختم کردیا، اپنی سم توڑ دی تھی۔ گویا اظہر سے رابطے کی کوئی صورت باقی نہ چھوڑی تھی۔

وہ اس کے ہاتھوں کھلونا ہرگز نہیں بننا چاہتی تھی، جسے محبت کا مفہوم ہی معلوم نہ تھا اس کی محبت میں خوار کیوں ہوتی۔ اس کا خیال دل سے نکال کر اس نے ایک پاک رشتے کو چن لیا۔

شروع میں دل بہت رویا تڑپا تھا لیکن حمزہ کی محبت نے سارے زخم مندمل کردیے تھے۔ وہ تو اظہر کو بھول گئی تھی لیکن آج وہ اس کا سکون برباد کرنے کو ایک بار پھر جانے کہاں سے نکل آیا تھا۔ اب آنے والی ہر گھڑی اس کا دل ہولا رہی تھی۔

''یااللہ! تو گواہ ہے کہ میں حمزہ کے ساتھ یہ رشتہ کتنی ایمان داری سے نبھارہی ہوں۔ اظہر سے محبت کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ میں نے اس غلطی کو سدھارنے کی اپنی سی پوری کوشش کی ہے۔ تجھے

تیرے محبوب کا واسطہ مجھے رسوا مت کرنا۔ میں حمزہ جیسے سچے انسان کو کھونا نہیں چاہتی۔ میں اتنی محبتوں کے قابل نہ تھی لیکن تو نے مجھے نوازا، اب دے کر واپس نہ لینا۔“ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

”علینہ یار آبھی جاؤ اب، تمہیں پتا ہے تمہارے بغیر میں کھانا نہیں کھاتا۔“ حمزہ نے اس کے قریب آکر خمار بھری سرگوشی کی تو وہ ہل کر رہ گئی۔

”کیا ہوا، رو کیوں رہی ہو؟“ حمزہ نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔ علینہ نے پیاز اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ ہنس دیا۔

”یار یہ تو بہت اچھا کیا، پیاز اور لیموں کی سلاد اظہر کو بہت پسند ہے۔“ وہ چہک کر بولا۔ اس بات پر علینہ کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا۔

”آپ یہ سلاد لے کر چلیے۔ میں آتی ہوں۔“ وہ چھری چھوڑ کر پیاز دھونے کے لیے سنک کی طرف بڑھی۔ قریب رکھے لیموں پیازوں پر نچوڑنے لگی۔ ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

بغور اس کا جائزہ لیتے حمزہ نے اس کے ہاتھوں سے لیموں لے کر خود نچوڑ دیا۔ وہ بار بار لعاب نگل رہی تھی۔ اضطراب اس کی صورت پر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

”آجاؤ اب......“ پلیٹ ہاتھ میں لیے وہ باہر جانے کو تیار کھڑا تھا اور علینہ تذبذب کا شکار ہوئے شیلف کے قریب کھڑی تھی۔

”آپ چلیں میں آتی ہوں۔“ متورم آنکھیں، بھیگا لہجہ۔ حمزہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

وہ پلیٹ واپس شیلف پر رکھ کر اس کے قریب آکھڑا ہوا، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر لبوں سے لگا لیے۔ وہ جھینپ گئی۔

”تمہارا یوں خوفزدہ ہونا مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔“ علینہ کا رنگ متغیر ہوا، لب کپکپانے لگے۔

”شادی سے پہلے میں کیا تھا، تم کیا تھیں، ہمیں سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ ہم نکاح کے بعد سے ایک دوسرے کو جواب دہ ہیں۔ اب ہم ایک دوسرے سے محبت کے دعوے دار ہیں اور تم جانتی ہو کہ محبت اعتبار کے موسم میں ہی پھلتی پھولتی ہے، اگر اعتبار نہ ہو تو خزاں کا شکار ہو جاتی ہے۔ کیا اس ایک سال میں تمہیں مجھ پر اتنا اعتبار بھی نہیں ہوا کہ کسی بھی مشکل گھڑی میں، میں تمہارا ساتھ دوں گا، تمہارے بارے میں ایک بھی غلط لفظ منہ سے نکالنے والے کی زبان کھینچ لوں گا۔ تم میرے ساتھ وفادار ہو اس پر مجھے خود سے زیادہ یقین ہے۔ یوں خوفزدہ ہو کر میرے اعتبار، میری محبت کی توہین مت کرو۔“ اس نے نرمی سے علینہ کی پیشانی پر مہر محبت ثبت کی اور باہر نکل گیا۔

علینہ محبت پاش نگاہوں سے خالی دروازے کو دیکھے جا رہی تھی جہاں سے ابھی حمزہ باہر گیا تھا۔ اسے اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا۔

گہری دپر سکون سانس خارج کر کے اس نے اپنا دوپٹہ سلیقے سے سر پر ٹکایا اور پلیٹ لیے باہر نکل گئی۔

”لیجیے اظہر بھائی! آپ کی پسندیدہ پیاز اور لیموں کی سلاد۔“ وہ پرسکون لہجے میں کہتی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا پرسکون انداز دیکھ کر برابر میں بیٹھا حمزہ بھی طمانیت سے مسکرا دیا۔ سامنے بیٹھا اظہر ان دونوں کے چہروں پر محبت کے دھنک رنگ پھیلتے بخوبی دیکھ رہا تھا اور اس کے اندر کی سیاہی دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر نمایاں ہو رہی تھی۔

قسط نمبر چار

آمِ ایمان قاضی

> تری نگاہِ تغافل کو کون سمجھائے
> کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں
> تو ہی بتا کہ تری خامشی کو کیا سمجھوں
> تری نگاہ سے کچھ آشکار بھی تو نہیں

''کیا بات ہے مومن بھائی! ایسی ایمرجنسی میں بلایا ہے کہ مجھے پریشان کردیا، ویسے بھی آپ کی حرکتیں دن بدن مشکوک ہوتی جارہی ہیں اور مشکوک بندوں سے میل جول مجھے پسند نہیں ہے۔ بندہ خوامخواہ نظروں میں آجاتا ہے، حالات ویسے بھی سخت جارہے ہیں آج کل اردگرد کے۔'' شاہ جہان ہمیشہ کی طرح جلدی میں تھا اور انداز بھی احسان جتانے والا تھا اس کا۔

وہ ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تھا جہاں اس وقت گاہک بہت کم تھے۔ مومن نے شاہ جہان کو بلانے کے لیے اسی ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جو اس کے گھر سے نزدیک تھا تاکہ اسے آنے میں مسئلہ نہ ہو، یہ اور بات تھی کہ وہ مومن کے فون کرنے پر آسانی سے راضی نہیں ہوا تھا۔

''اچھا یار! بیٹھو تو سہی، ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو اور غصہ تو ویسے بھی تمہاری صحت کے لیے ٹھیک نہیں...... ایک اکیلی منحنی جان کیا، کیا برداشت کرسکتے ہو؟'' مومن نے شاہ جہان کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھایا۔ وہ تیوری چڑھائے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''یہ کون ہے؟'' شاہ جہان نے ابرو اچکا کر پوچھا، اس کی نظر عمر پر اب پڑی تھی جو تنقیدی نظروں سے اسے تب سے دیکھ رہا تھا جب سے اس نے ہوٹل میں قدم رکھا تھا۔

''یار...... تم کسی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو پتا چلے کہ بندہ کب سے تمہاری نظر کرم کا منتظر ہے، ان سے ملو یہ میرا دوست ہے اور یار ہیں شاہ جہان، جن کی تعریف کے لیے اس وقت میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ دماغ بھی تب چلتا ہے جب پیٹ بھرا ہو اور اس وقت میرا دماغ بھی پیٹ کی طرح خالی ہے۔'' اتنی دیر میں ویٹر نے کھانا سرو کرنا شروع کردیا تھا۔

''کھانا شروع کر یار شاہ جہان کیا یاد کرو گے کہ کسی سخی سے پالا پڑا ہے تمہارا اور آئندہ بھی تم اگر تعاون کرو گے تو تمہیں اس سے بھی بڑھ کر اس سخاوت کے فوائد ملتے رہیں گے۔'' شاہ جہان کو اس سے پہلے بھلا کس نے ایسا

پروٹوکول دیا تھا سو خوب سینہ چوڑا کر کے کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب آ ہی گئے ہو تو آپ بھی کھا لو کھانا...... اب ایسے دیکھتے رہو گے کیا؟ ویسے بھی میری اماں اگر زندہ ہوتیں تو کہتیں بیٹا تمہیں نظر جلدی لگ جاتی ہے۔" شاہ جہان کے بے نیازی سے کہنے پر عمر کی تو تیوری چڑھ گئی مگر مومن بے ساختہ ہنس دیا۔

"بالکل بجا فرمایا شاہ جہان نے...... کھا لو بھئی، تم نے کہاں ایسے کھانے کبھی کھائے ہوں گے جو آج تمہیں شاہ جہان کے نصیب سے مل رہا ہے۔" مومن نے سالن کی ڈش عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو حیرت سے کبھی سالن کی ڈش اور کبھی شاہ جہان کی پلیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں بوٹیوں کا پہاڑ بنا کر اس نے سالن کی ڈش تقریباً خالی کر دی تھی۔ طویل سانس لیتے ہوئے اس نے ڈش میں بچا ہوا شوربہ اپنی پلیٹ میں نکالا۔

"ہاں تو مومن بھائی! واپسی کا کیا پروگرام ہے؟ مجھ سے تو اب چلا بھی بہ مشکل جاتا ہے، مجھے بھی بائیک پر لے چلنا، گھر سے ایک اسٹاپ پہلے اتار دینا۔ ہماری مالکن بڑی سخت ہیں ایرے، غیروں سے تعلقات کے حوالے سے۔" شاہ جہان نے عمر کو دیکھتے ہوئے خصوصی طور پر جتایا تھا، نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ مومن کے دوست پر اس کا بڑا رعب پڑ رہا ہے۔

"ارے شاہ جہان بیٹھو بھئی کیا جلدی ہے جانے کی، بات تو سنو جس کے لیے تمہیں اتنی پریشانی اٹھا کر بلایا ہے۔" اس نے کھانے کے خالی برتنوں کی طرف اشارہ کیا جو شاہ جہان نے بڑی صفائی سے صاف ستھرے کر دیے تھے۔

"جلدی بولو مومن بھائی، میرا وقت بڑا قیمتی ہے...... آگے مجھے ایک ایک منٹ کا حساب دینا ہوتا ہے۔" اس نے

شگفتہ کنول

جب خواب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا
ہر صبح کو جی اٹھنا ہر رات کو مر جانا
سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا
خود زہر پیا میں نے تب اس کا اثر جانا

"کیا مسئلہ ہے یار آخر یہ لڑکی اب تک آئی کیوں نہیں؟ کہاں رہ گئی ہے؟" کشف نے بے زاری سے ادھر ادھر نگاہیں گھماتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں اس وقت پارک میں بیٹھیں انزہ کی منتظر تھیں مگر وہ تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ تینوں انتظار کی سولی پر لٹکی ہوئی تھیں اور اب تو لوگوں کا معائنہ کر کر کے بھی بیزار اور تھک چکی تھیں۔

"آجائے گی۔ تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟" ایمن نے فیس بک اسکرول کرتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے اس پر تم نے لنچ کا پروگرام بھی انزہ کے آنے کے بعد رکھا ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔ کشف کی بات پر ایمن نے سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تم نے چپس کا پیکٹ ٹھونسا ہے اور اس کے بعد فالسے کا شربت بھی پیا ہے اس کے باوجود بھی؟"

"لو کر لو گل...... کبھی سنا ہے کہ لیز کے پیکٹ میں سے نکلے گنتی کے چپس اور ایک گلاس فالسے کے شربت سے کسی کی بھوک ختم ہوئی ہو۔" کشف نے بھی اسے فوراً جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ ایمن کشف کی بھوک پر مزید کچھ بولتی کشف اس کو نظر انداز کرتی پارک کے گیٹ سے داخل ہوتی انزہ کو دیکھ کر اچھلی۔

"لو! وہ آ گئی۔"

"وہ خالی ہاتھ ہی آ رہی ہے اور تم ایسے لہک رہی ہو جیسے وہ تمہارے لیے راشن لا رہی ہے۔" کرن نے اس کی ایکسائٹمنٹ پر چوٹ کی۔ انزہ سلام دعا کے بعد ان کے پاس ہی گھاس پر بیٹھ گئی۔

"ہاں تو بتاؤ کیوں کال کر کے ہنگامی میٹنگ بلائی ہے؟" انزہ نے ان تینوں سے مشترکہ سوال کیا۔

"ہم نے کچھ سوچا ہے۔" کشف نے فٹ سے جواب دیا۔

"یا الٰہی خیر۔ ایسا کیا سوچ لیا جو ہنگامی بنیادوں پر میٹنگ کال کر لی؟"

"خیر بتاؤ کیا سوچا ہے؟" انزہ ان کے چہرے پر چھلکتے جوش کو دیکھ کر متجسس ہوئی۔

"یہی کہ جب تک یونی نہیں اوپن ہوتی کوئی بزنس کرتے ہیں۔" ایمن نے موبائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے اسے اطلاع دی۔ انزہ کے منہ سے بے اختیار لاحول ولا قوۃ

الا باللہ نکلا۔

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ آئیڈیا کس کا ہے؟" اس نے مشکوک انداز میں کشف اور ایمن کو دیکھا۔ ان کے علاوہ بھلا اور کون اتنا سوچ سکتا تھا۔

"آف کورس کشف دی گریٹ کا۔ اس کے علاوہ کسی اور کا اتنا دماغ چل سکتا ہے بھلا اور ایمن اس کی حمایت نہ کرے ایسا کیسے ممکن ہے؟" کرن نے کہتے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔ اس کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ اس پلان سے وہ بھی متفق نہیں ہے بس وہ دونوں ہی تیار بیٹھی تھیں۔

"اسے کیا ہوا ہے؟ یہ کیوں مرچیں چبا رہی ہے؟" انزہ نے کرن کے تیور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آتے ہوئے اپنی اماں سے رج کے ذلیل ہو کر آئی ہے۔" کشف نے ہنستے ہوئے بتایا تو انزہ بھی ساتھ ہنس پڑی۔

"ویسے تم تینوں نے بھی کیا قسمت پائی ہے۔ اپنے گھر سے تو ذلیل ہوتی ہی ہو، میرے گھر میں بھی تم لوگوں کا ذکر خیر اکثر ہوتا رہتا ہے۔ آج بھی مام نے غائبانہ تم لوگوں کی اچھی خاصی کلاس لی ہے۔"

"جب ہم مر جائیں گی ناں تو تمہاری مام کو بہت یاد آئیں گی۔" ایمن نے منہ بسورا۔

"ارے! دوستیں تم میری ہو اور مرنے کے بعد میری مام کو کیوں یاد آؤ گی؟" انزہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

چھوڑ و یار تم جانتی تو ہو کہ یہ ایسے ہی بونگیاں مارتی ہے۔" کشف نے ہاتھ جھلایا

"کہہ تو ایسے رہی ہے جیسے خود انجمن عقلنداں کی صدرات کر کے آ رہی ہے اور ابھی ملکی امور پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے وزیر اعظم سے ملاقات کرنی ہے۔" کرن نے جل کر کہا جس پر ایمن نے سمجھنے والا انداز میں سر ہلایا۔

"اوہ! تو اسی لیے ملک کا بیڑا غرق ہوا پڑا ہے۔"

"اگر تم لوگوں کا ہو گیا ہو تو وہ بات کر لیں، جس کے لیے یہاں اتنی گرمی میں بیٹھے ہیں۔" انزہ نے ان کو الٹی سیدھی ہانکتے دیکھ کر گھورا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھیں

"تو بتاؤ کون سا کیڑا کلبلایا ہے؟"
"وہ نہ ہم نے......"
"تم خاموش بیٹھو۔ ایمن تم سنجیدہ ہو کر پوری بات بتاؤ۔" کشف کو بولتے دیکھ کر انزہ نے اسے ٹوکا تو ایمن اسے تفصیل سے آگاہ کرنے لگی۔
"آئیڈیا تو برا نہیں ہے مگر اس کے لیے پیسے بھی تو ہونے چاہئیں۔ بلڈنگ بھی چاہیے ہوگی پھر کچھ فرنیچر وغیرہ کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی اخبارات میں اشتہارات وغیرہ بھی دینے ہوں گے اور یہ سب کرنے کے لیے ایک مناسب رقم درکار ہوگی۔"
"ہم چار ہیں ناں مل ملا کر کچھ کرلیں گے، کیوں کشف تم کیا کہتی ہو اس بارے میں؟" ایمن نے اس کی تائید چاہی مگر وہ سر جھکائے خاموش رہی تو ایمن نے اسے کہنی ماری۔
"میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں۔ جواب تو دو۔"
"انزہ کہتی ہے خاموش رہو۔ تم کہتی ہو جواب دو۔ پہلے دونوں فیصلہ کرلو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں ویسے ہی کرلوں گی۔" اس نے لہجے میں زبردستی کی بے چارگی سموئی۔
"چلو دی اجازت اب اپنے اس بوتھے شریف سے کچھ پھوٹو بھی۔" انزہ اس کی اتنی فرمانبرداری پر جزبز ہوئی۔
"دیکھو فرض کرو اگر اس سب پر پچاس ہزار بھی خرچہ آتا ہے تو ہم چاروں کو بمشکل ہی گیارہ گیارہ ہزار آئے گا اور یہ گیارہ یوں سمجھنا گویا ہم جاگ لگا رہے ہیں۔ جاگ کا مطلب سمجھتی ہو ناں جیسے دہی بنانے کے لیے جاگ لگاتے ہیں ویسے ہی اور......"
"کاشی کاشی! خدارا یہ عوام سے ووٹ لینے والے سیاستدانوں کی طرح قائل کرنا بند کرو اور حل بتاؤ۔" انزہ نے دانت پیسے۔
"او کے تو پھر ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ میرے پاس دو سیٹ جھمکوں کے پڑے ہیں میں وہ بیچ دیتی ہوں اور اس سے جو پیسے ملیں گے وہ کام میں لگالیں گے۔" کشف نے حاتم تائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے فراخدلی کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔
"واٹ؟ تم جھمکے بیچ دو گی؟" تینوں یک زبان ہو کر بولیں۔
"کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ جب پیسے آجائیں گے تو دوبارہ لے لوں گی۔"
"واہ یار! کتنا بڑا دل ہے تمہارا۔ تمہاری امی کچھ نہیں کہیں گی۔" کرن نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کم آن یار۔ دوستوں کے لیے کچھ بھی اور جہاں تک امی کی بات ہے تو اب وہ جھمکے میری ملکیت ہیں اب چاہے میں کچھ بھی کروں۔" اس نے بلا کی عاجزی دکھائی۔
"تو پھر میرے پاس یہ رنگ ہے۔ ایف ایس سی میں اچھے نمبر لینے پر امی نے بنوا کردی تھی۔ زیادہ نہیں تو بیس تک یہ بھی فروخت ہو ہی جائے گی۔" ایمن نے اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے اپنے ہاتھ سے رنگ اتار کران کے سامنے رکھی۔
"دفتر کے لیے جگہ میرے ذمے آئی۔ میرے ایک کزن کا کمرشل پلازہ ہے اسی میں فی الحال ایک چھوٹی سی دکان لے لیتے ہیں اور پیمنٹ بعد میں کردیں گے۔ اس طرح ایڈوانس وغیرہ کا جھنجھٹ بھی نہیں ہوگا۔" انزہ نے بھی پیشکش کی۔
"تو پھر ڈن ہوگیا۔ تم بتاؤ تمہارے جھمکے کتنے تک میں جائیں گے؟" ایمن نے کشف سے پوچھا۔
"یہ تو اب بیچنے جائیں گے تب ہی پتا چلے گا ایسے مجھے کیا پتا؟ ویسے امید تو ہے کہ اچھے داموں میں فروخت ہو جائیں گے۔ ایک دو بار ہی پہنے ہیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔
"پھر بھی کچھ اندازہ تو ہوگا نہ۔ ویسے کتنے کے اور کہاں سے لیے تھے؟" کرن نے پوچھا۔
"یہ شہر سے باہر جو اتوار بازار لگتا ہے ناں۔ وہاں سے لیے تھے پانچ سو کی جوڑی ملی تھی۔" کشف نے زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بھی اپنے دائیں جانب اشارہ کیا گویا

اتوار بازار بازو میں ہی لگا ہو۔ اس کی بات سن کر ان کے گروپ میں کچھ دیر کو مکمل خاموشی چھا گئی گویا سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ جان بوجھ کر ادھر ادھر نظریں گھماتی کشف نے ترچھی نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ تینوں آنکھیں اور منہ کھولے حیرت وصدمے سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"ایمن پکڑو اسے۔ یہ بچنی نہیں چاہیے۔" انزہ جارحانہ انداز میں اٹھ کر اس کی طرف لپکی۔ اس سے پہلے وہ اسے پکڑتی وہ اٹھ کر بھاگنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"اوکے میں سوری کرتی ہوں۔ اب سنجیدہ ہو کر حل نکالتے ہیں۔" کشف نے ان کو گھورتے پا کر ہاتھ کھڑے کیے۔

"دیکھو گھر سے ملنے کی تو امید ہی چھوڑ دو کیوں کہ میں نے آتے ہوئے امی سے سرسری سی بات کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جو مرضی کرو ہم نہ تو تمہارے فائدے کے ذمہ دار ہوں گے اور نقصان کے تو بالکل بھی نہیں ہوں گے لہٰذا گھر سے کوئی مدد ملے گی یہ تو سوچنا ہی عبث ہے۔ اب ہم سب کے پاس صرف اپنی پاکٹ منی کے ہی پیسے ہوں گے اگر چاروں کے ملا کر بیس ہزار بھی بن جاتے ہیں تو بھی کام چل جائے گا۔ ابھی کے لیے بس اتنا کرتے ہیں کہ فرنیچر میں صرف میز اور دو تین کرسیاں ہی لے لیتے ہیں وہ بھی سیکنڈ ہینڈ۔ باقی جو بچ گئے ان سے دوسرے خرچے نکال لیں گے۔" کشف نے اب کی بار سنجیدگی سے کہا تو سب نے متفق ہونے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

"چلو پیسوں اور فرنیچر کے معاملات تو طے ہو گئے اب بزنس کا بتاؤ کیا سوچا ہے؟ کیا کرنا ہے؟" انزہ نے پوچھا۔

"میرج بیورو کھولیں گے اور پتا ہے میں نے تو نام بھی سوچ لیا ہے۔ نام ہوگا۔ جھٹ پٹ شادی دفتر۔" کشف نے فلمی انداز میں ہاتھ اور آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"نام بھی اپنے جیسا ہی سوچا ہے۔ چلو میں ذرا کال کر کے جگہ کا بندوبست کرلوں۔" انزہ نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا۔ دوسری جانب سے کال ریسیو ہونے پر وہ بات کرنے لگی۔

دفتر کھولنے کے بعد انہوں نے ایک لوکل سے اخبار میں اپنے میرج بیورو کا اشتہار دیا۔ کچھ دنوں کے مسلسل اشتہار دینے کے بعد ان سے ایک فیملی نے اپنی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں رابطہ کیا۔ ان لوگوں نے انہیں دفتر آ کر ضروری کوائف بھرنے کا کہا۔ اگلے دن دوپہر کے وقت ایک بھاری بھرکم آنٹی دفتر میں آن پہنچیں۔ جسامت سے وہ کھاتے پیتے گھر کی اور چہرے مہرے سے سرد مزاج اور غصے کی تیز گویا ہٹلر کے خاندان سے لگ رہی تھیں۔ ان کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر کشف کی آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

"پتا ہے انہوں نے جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا تب ہی میری ساری حسیں چیخ اٹھیں تھیں کہ کوئی آنے کو ہے۔"

"اپنا منہ بند رکھنا۔ میں خود بات کروں گی۔" اس کی سرگوشی پر انزہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے گھورا اور اٹھ کر خوش دلی سے ان خاتون کو خوش آمدید کہا۔

"آئیں پلیز یہاں بیٹھیں۔" انزہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تو آپ نے کل اپنی بیٹی کے سلسلے میں فون کیا تھا؟"

"جی میں نے ہی کیا تھا۔ دراصل میرے شوہر بیس سال پہلے ہی وفات پا گئے تھے تو......"

"اوہ سو سیڈ! اللہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ویسے ان کو ہوا کیا تھا؟" ابھی انہوں نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ کشف نے ان کی بات کاٹتے ہوئے ہمدردی سے پوچھا۔ انہوں نے مرحوم شوہر کے ذکر پر ایک طویل آہ بھری۔

"اللہ بخشے مرحوم کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور ہسپتال جاتے جاتے راستے میں ہی دم توڑ گئے۔"

"جو زیادتی ان کے ساتھ ہوئی تھی تو میرے خیال سے وہ ہارٹ اٹیک سے نہیں احتجاجاً فوت ہوئے ہوں گے۔ بھئی احتجاج کا حق تو ہر انسان رکھتا ہے۔" چیونگم چباتی ایمن نے ان کا جائزہ لیتے ہوئے سمجھداری سے سر ہلایا۔

"جی؟" خاتون کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"وہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔اللہ پاک آپ کو اس کا اجر دے۔" انزہ جلدی سے بولی اور ایک سخت گھوری سے ایمن اور اس کے ساتھ بیٹھی کشف کو نوازا۔

"میں نے اپنی بچی کو اکیلے ہی پالا ہے۔اس کو اچھی، اعلیٰ تعلیم دلوائی اور اب ماشاءاللہ سے وہ ایک اچھی نوکری کر رہی ہے،تو میں اب اس کے اس ایک آخری فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتی ہوں تاکہ بےفکر ہو کر دو گز قبر میں سکون سے سو سکوں۔"

"آپ نے ایک بار ہی مرنا ہے۔کون سا اپنی قسطیں کرانی ہیں؟ دو گز زمین کچھ کم نہیں ہوگی۔" کشف نے ان خاتون کی بات سن کر کہا تو انزہ بےبسی سے ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی جن کو اس سنجیدہ صورت حال میں بھی جگتیں سوجھ رہی تھیں۔

"میرا مطلب تھا کہ بس اللہ پاک ہر انسان کو قبر کی مٹی نصیب فرمائے ورنہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔" کشف نے ان کے بگڑتے تیور دیکھ کر بات بنائی۔

"ہوں.....تو تم لوگ مجھے کوئی اچھا سا لڑکا دکھا دو۔میں منگنی وغیرہ کے جھنجھٹ کی بجائے سیدھا شادی کی تاریخ رکھنے کو ہی ترجیح دوں گی۔" وہ خاتون تو ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھیں تھیں۔

"آپ کو کیسا لڑکا چاہیے تاکہ ہم اسی حساب سے بات چلائیں۔" انزہ نے کاغذ اور قلم اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ خاتون اپنی ڈیمانڈز بتانے لگیں جن کو سن کر وہ چاروں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں۔کشف نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر انزہ کو سنجیدہ نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتا پا کر خاموش ہوگئی۔

"ٹھیک ہے میم آپ لڑکی کی تصویر اور اپنا ایڈریس یہاں چھوڑ جائیں۔بہت جلد ہم آپ سے دوبارہ رابطہ کریں گے۔" انزہ نے ان کا فارم بھر کر ایک نظر دیکھتے ہوئے پروقار انداز میں کہا۔

"بات پکی کرنے سے پہلے ایک بار پھر سوچ لینا کہ کسی بھی قسم کی کمی بیشی کی صورت میں یہ ہماری ہڈیاں تک چبانے کی اہلیت رکھتیں ہیں۔" کشف نے ایک نظر خود کو اور پھر ان تینوں کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"کاشی۔" انزہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے دانت پیسے تو وہ کرسی پر پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ پلیز وہاں جا کر فیس جمع کرا دیں۔" انزہ نے متانت سے سائیڈ پر دیوار کے پاس چھوٹا سا ٹیبل اور کرسی رکھے بیٹھی کرن کی جانب اشارہ کیا۔فیس جمع کروا کر وہ خاتون چلی گئیں تو کرن دراز سے پیسے اٹھا کر اچھلتی ہوئی ان تینوں کے پاس آئی اور آنکھیں بڑی کرتے ہوئے پیسے ان کے سامنے لہرائے۔

"یہ دیکھو پورے بیس ہزار روپے۔میں ان پیسوں سے شاپنگ کروں گی، کپڑے، جوتے اور باقی کی چیزیں خریدوں گی۔" اس کا جوش عروج پر تھا۔

"او ہیلو! ادھر دو۔شاپنگ کروں گی۔آئی بڑی۔میں نے خود موبائل لینا ہے۔" کشف نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے پیسے جھپٹے۔

"لاؤ یہ مجھے دو۔ابھی پتا نہیں ان کا کام ہو یا نہیں اور تم لوگ پیسے اڑا لو۔اگر واپس کرنے پڑے تو کہاں سے کرو گی؟" انزہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

"میں نہیں دوں گی۔مجھے موبائل لینا ہے۔" اس نے کہتے ساتھ ہی جھٹ سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔کرن جو کشف کے قریب کھڑی تھی اس نے موقع دیکھتے ہی آگے بڑھ کر اس سے پیسے چھین کر انزہ کو تھمائے اور زبان چڑاتے ہوئے واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔

وہ چاروں دفتر میں بیٹھی تھیں کہ اچانک سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔انہیں لگا کہ شائد کسی کلائنٹ کا فون ہوگا اس لیے وہ سب کی سب پرجوش سی ہو کر فون کے اردگرد جمع ہوگئیں۔انزہ نے فون اٹھایا تو ایمن نے ہاتھ بڑھا کر فون سپیکر پر ڈال دیا۔اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فون سے آتی کڑک

دار آواز پر وہ چاروں اچھل کر رہ گئیں۔ وہ اسی دن والی خاتون کی آواز تھی جو انہیں اپنی بیٹی کے سلسلے میں فیس جمع کرا گئی تھیں۔

"دیکھو لڑکیو! میں نے اعتبار کر کے تم لوگوں کو یہ ذمہ داری سونپی تھی اور آج چار دن ہو گئے ہیں مگر ابھی تک تمہاری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اگر نہیں کر سکتی ہو تو میری فیس واپس کر دو۔ میں کسی اور جگہ رابطہ کر لیتی ہوں۔"

"دیکھیں آنٹی جسٹ کول ڈاؤن۔ ہم لوگ جلد سے جلد لڑکا ڈھونڈنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں، جیسے ہی کوئی ملتا ہے آپ سے ملوا دیا جائے گا۔" انزہ نے آہستگی سے کہا تو وہ چونکیں۔

"کیا مطلب؟ تم لوگوں کے پاس کوئی لڑکا ہے ہی نہیں؟" انہوں نے درشتی سے پوچھا۔

"نن..... نہیں لڑکے تو بہت ہیں مگر آپ کی بیٹی کے ہم پلہ کوئی نہیں مل رہا تو بس اسی لیے دیر ہو رہی ہے ورنہ رشتے تو بہت ہیں ہمارے پاس۔ ابھی بھی ایک خاتون آپ کی بیٹی کو پسند کر کے گئی ہیں مگر لڑکا آپ کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسی وجہ سے ہم نے آپ سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" انزہ نے گڑبڑاتے ہوئے بات بنائی۔

"جھوٹ کیوں بول رہی ہو؟ میں نے تو صبح سے کسی مکھی تک کو اندر آتے نہیں دیکھا کجا انسان کی بچی۔ کسی نہ نظر آنے والی مخلوق سے ڈیل کر بیٹھی ہو کیا؟" کشف نے اس کے جھوٹ پر اسے ٹوکتے ہوئے آخر میں ناک تلے انگلی رکھ کر حیرت سے پوچھا۔ اس کے ایک دم سے بولنے پر انزہ نے جلدی سے ماتھے پیس پر ہاتھ رکھ کر اسے گھوری سے نوازا۔

"تم لوگوں کو مزید ایک ہفتے کا وقت دے رہی ہوں اور اگر اس ایک ہفتے میں تم میرا کام نہ کر سکیں تو فیس تو واپس لوں گی ہی ساتھ میں اتنے دن تک خوار کرنے کا ہرجانہ بھی ادا کرنا پڑے گا، سمجھی تم۔"

"جی، جی میں سمجھ گئی آپ فکر مت کریں ان شاء اللہ آپ کا کام ہو جائے گا۔"

"ہونا ہی چاہیے ورنہ تم لوگ مجھے جانتی نہیں ہو۔ بہت بری طرح سے پیش آؤں گی۔"

"جی ہمیں اس بات کا اندازہ ہے۔ ابھی ہمیں اپنی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے اس لیے آپ کا کام لازمی کریں گے۔" مزید کچھ دیر تک ان سے بات کرنے اور تسلی دینے کے بعد اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھا اور میز پر سے ٹشو اٹھا کر ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے ایمن کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

"اب کیا کرنا ہے؟" ایمن نے تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جاؤ کر وضو کر کے آؤ۔ ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ کوئی لڑکا بھیج دے کہیں سے ورنہ بڑی بری ہونی ہے ہمارے ساتھ۔ اتنا تو میں ان خاتون کی باتوں سے اندازہ لگا ہی چکی ہوں کہ اگر ہم نے رشتہ نہیں ڈھونڈا تو وہ ہمیں چھوڑیں گی نہیں۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کرسی پر سر ٹکاتے ہوئے اپنی آنکھیں موندھ لیں۔

اگلے دن وہ چاروں ایک لائن میں کرسیاں رکھ کر بیٹھیں میز پر رکھے لیپ ٹاپ سے کوئی موی دیکھ رہی تھیں کہ ایک پچیس چھبیس سالہ لڑکا ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چمڑے کا بیگ پکڑے اندر آیا۔ اس کا ظاہری حلیہ دیکھ کر ان چاروں نے اسے رشتے کا امیدوار سمجھتے ہوئے اٹھ کر پرجوش طریقے سے اس کا استقبال کیا۔

"آیئے آیئے سر تشریف لایئے۔ یہاں بیٹھیے پلیز۔" ایمن نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ اس لڑکے نے حیرانگی سے ان کے تاثرات دیکھے۔

"جی سر کیا لیں گے ٹھنڈا یا گرم؟"

"ارے پوچھ کیوں رہی ہو؟ منگواؤ نہ، بلکہ ایک کام کرو خود جا کر سر کے لیے ٹھنڈے جوس کا گلاس لے کر آؤ باہر بہت گرمی ہے۔" انزہ نے مسکراتے ہوئے ایمن کو جوس لانے کا کہا تو وہ چھپاک سے باہر نکل گئی۔

"کمال ہے جہاں بھی گیا ہوں، بے عزت ہی ہوا ہوں

اور یہاں سے اتنی عزت مل رہی ہے۔ اللہ خیر کرے۔" وہ ان کی خاطر داری عروج پر دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑالیا۔ انزہ نے کرسی پر بیٹھ کر میز پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"جی سر۔ بتائیں ہم آپ کی کیا خدمت کرسکتے ہیں؟"

"میڈم خدمت کیا کرنی بس ایک چھوٹی سی عرضی تھی۔" اس نے عاجزی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ارے عرضیاں ورضیاں چھوڑیں۔ آپ بس اپنی ڈیمانڈ بتائیں کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔" کشف نے بولتے ہوئے اپنی بتیسی دکھائی۔ ایمن نے جوس کا گلاس لاکر اس کے سامنے رکھا تو وہ ہچکچاتے ہوئے اٹھا کر پینے لگا۔ اس کو جوس پیتا دیکھ کر وہ سب خاموشی سے اس کی شکل دیکھنے لگیں مگر وہ اپنی سوچوں میں مگن آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔ کشف جو کچھ زیادہ ہی بے صبری سے اس کے بولنے کی منتظر تھی پتپ اٹھی۔

"محترم زرا جلدی پی لیں، منہ میں چھلنی لگائی ہوئی ہے کیا؟ جو چھان کر آہستہ آہستہ اندر بھیج رہے ہیں۔" اس کے ایک دم سے بولنے پر وہ اچھل کر رہ گیا۔ جس کی وجہ سے کچھ جوس اس کے کپڑوں پر بھی گر گیا۔ انزہ نے کشف کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے معذرت کی۔ اپنے سر پہ کھڑی کشف کے تیور دیکھتے ہوئے اس نے جلدی سے جوس ختم کر کے گلاس میز پر رکھا اور ڈرتے ڈرتے گویا ہوا۔

"آپ لوگوں کا میرج بیورو ہے۔ میرا ابھی ایک چھوٹا سا کام کردیں۔" وہ نیچے رکھا بیگ اٹھا کر اس میں سے کچھ نکالنے لگا۔

"دیکھیں سر پیسوں کی فکر مت کریں۔ ان شاء اللہ کام ہونے کے بعد ہم آپ سے فیس بھی لیں گے اور منہ بھی میٹھا کریں گے۔ ابھی تو آپ بس اپنی پسند بتائیں کہ آپ کو کیسی لڑکی چاہیے؟" انزہ کو لگا کہ وہ فیس نکال رہا ہے اس لیے جلدی سے بولی۔

"جی؟" اس لڑکے نے حیرت سے دیکھا۔

"ہمارے پاس بہت اچھے رشتے موجود ہیں۔ پڑھی لکھی، سلیقہ شعار اور کچھ تو اچھی جاب پر بھی ہیں۔ اگر آپ کو گھریلو قسم کی شریک حیات چاہیے تو اس کی معلومات بھی آپ کو دی جاسکتی ہیں۔" انزہ نے خاصے پیشہ وارانہ انداز میں اسے گھیرنے کی کوشش کی۔

"میڈم آپ شاید غلط سمجھ رہی ہیں میں تو......"

"ہم سب سمجھ رہے ہیں۔ آپ پلیز شرمائیں مت۔ ٹھیک ہے آپ اپنے رشتے کے لیے خود ہی آگئے ہیں حالانکہ کسی بڑے کو بھیجنا چاہیے تھا مگر اب جب ہمت کر کے آہی گئے ہیں تو اپنی پسند بھی بتادیں۔ آپ کی تمام معلومات راز ہی رکھی جائیں گی۔" کشف نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

"دیکھیں آپ لوگ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ میں یہاں رشتے کے لیے نہیں آیا بلکہ اس علاقے میں اپنی اکیڈمی کے اشتہار تقسیم کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ یہ کچھ اشتہار ہیں۔ آپ اپنے کلائنٹس میں بانٹ دیجیے گا۔ مجھ غریب کا بھی بھلا ہوجائے گا۔" اس نے کچھ اشتہار نکال کر میز پر رکھے۔ اس کی بات پر مارے صدمے کے ان چاروں کے منہ اور آنکھیں بیک وقت کھلیں۔ انہوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ کمرے میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید نہیں یقیناً وہ جام ہوچکی تھیں۔

"اوہ بھائی دماغ ٹھیک ہے؟ ہم نے میرج بیورو کھولا ہوا ہے کوئی پکوڑوں سموسوں کی ریڑھی نہیں لگائی ہوئی جو آپ کے اشتہار میں لپیٹ کر گاہکوں کو بیچیں گے۔" سب سے پہلے کشف ہوش میں آتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر بولی کم غرائی زیادہ تھی۔ ایمن جو دیوار کے پاس کھڑی تھی تقریباً اڑتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔

"اٹھو، اٹھو شاباش اور نکلو یہاں سے۔ دو سیکنڈ میں اپنی شکل گم کرو۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے اسے باہر کی راہ دکھائی۔ ایک کے بعد ایک کے بگڑتے تیور دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھا اور بوکھلاہٹ میں بیگ وہیں چھوڑے باہر کی طرف بھاگا۔ ایمن اس کا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے آئی اور

اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔
"چلو جوس کے سو روپے نکالو۔ میرے حرام کے پیسے نہیں تھے۔" وہ جلدی سے سو کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتا اس کے ہاتھ سے بیگ جھپٹ کر باہر نکل گیا۔ ایمن کشف کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے واپس آکر کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھی اور ہاتھ میں پکڑا سو کا نوٹ بیگ میں رکھنے لگی۔
"ذرا بتانا پسند کرو گی کہ بیس روپے کا روح افزا کا گلاس سو کا کب سے ہوگیا؟" اس کو دیکھنے کے باوجود نظر انداز کرتے دیکھ کر کشف نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کڑے تیوروں سے کہا۔
"ہاں تو جو میں اتنی دور گرمی میں چل کر گئی تھی اس کا کیا۔" جواباً اس نے شرمندہ ہونے کی بجائے ڈھٹائی سے دانت دکھائے۔
"آدھے آدھے کرتے ہیں ناں۔" اس نے اس کے ہاتھ سے نوٹ چھیننا چاہا اور اسی چھینا جھپٹی میں آدھا حصہ پھٹ کر کشف اور آدھا ایمن کے ہاتھ میں آگیا۔ ایمن صدمے سے کبھی پھٹے نوٹ کو دیکھتی تو کبھی کشف کو جو دانت نکال رہی تھی۔
"یار مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کرنا ہے۔ یہ کام بھی شروع ہونے سے پہلے ہی ٹھپ ہوگیا اور وہ خاتون مجھے تو ان کا سوچ کر بھی ہول اٹھ رہے ہیں۔" انزہ کی پریشانی سے بھرپور آواز پر وہ چونکیں۔
"پھر اب؟" کشف نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔
"ایک بار پھر سے اشتہار دے کر دیکھتے ہیں کیا پتا کام بن جائے۔" کرن نے مشورہ دیا۔
"اتنا کمایا نہیں ہے جتنا اڑا دینا ہے۔ خیر ایمن تم چھوٹا سا اشتہار لکھ کر بھجوا دو پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔" انزہ نے کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے مایوسی سے کہا۔ ایمن کاغذ اور قلم اٹھا کر اشتہار لکھنے میں مشغول ہوگئی۔
ان لوگوں کو اخبار میں اشتہار دیے دو دن گزر گئے تھے مگر ابھی تک کسی نے ان سے رابطہ نہیں کیا تھا جس وجہ سے وہ چاروں فکر میں مبتلا تھیں۔ وہ چاروں مستقل مزاجی سے روز صبح نو بجے دفتر آتیں اور شام تک فارغ بیٹھ کر حقیقی معنوں میں مکھیاں ہی مارتیں۔ اب تو خیر سے مکھیوں نے بھی ان کے دفتر کا رخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت بھی وہ چاروں دفتر میں منہ لٹکائے بیٹھی تھیں۔ کرن کاؤنٹر کی کرسی لاکر ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ میز کی دائیں جانب ایمن بیٹھی میز پر انگلیوں سے نقش و نگار بنا رہی تھی جبکہ میز کی دوسری طرف بیٹھی انزہ کمرے میں بے چینی سے ٹہلتی کشف کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر کو رک کر ان تینوں کی مایوس کن شکلوں کو دیکھا اور پھر خود بھی مایوس ہو کر دوبارہ سے ٹہلنے میں مصروف ہوگئی۔
"کیا مصیبت ہے یہ لڑکا آخر مل کیوں نہیں رہا۔" وہ جھنجھلا کر بڑبڑائی۔
"ہاں یار یہ لڑکے کی تلاش تو بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہو گئی ہے۔ کتنے ہی اشتہارات دے چکے ہیں مگر یوں لگتا ہے جیسے کسی نے اپنے بیٹے کی شادی کروانی ہی نہیں ہے۔" کرن نے جمائیاں لیتے ہوئے ٹیبل پر سر ٹکایا۔ کچھ سوچتے ہوئے ایمن کی آنکھیں یکدم چمک اٹھیں۔
"ایک کام ہو سکتا ہے، ہم میں سے کوئی اسے اپنی بھابی بنالے۔"
"واٹ؟" انزہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"ہاں نہ...... بس یہی ایک صورت ہے ورنہ تو فیس واپس کرنی پڑے گی اور جیسی وہ عورت دکھ رہی تھی اس سے تو لگتا ہے کہ وہ ہمارا تیا پانچا کرنے سے بھی نہیں ہچکچائے گی۔" ایمن نے گال پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے اپنی طرف سے مفید مشورہ کم ڈراوا زیادہ دیا۔
"میرا بھائی ابھی چھوٹا ہے۔" کرن نے اسی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔
"میرے بھائی کی منگنی ہو چکی ہے۔" انزہ نے اس کی نظریں خود پر دیکھ کر کہا۔
"کشف تم؟" ایمن نے استفہامیہ نظروں سے اسے

دیکھا۔

"تم جانتی ہو میرے بھائی کی بھی ہو چکی ہے۔"

"ایک منٹ، ایک منٹ ہم یہ بات کر بھی کیوں رہے ہیں؟ ہم نے کاروبار کرنا ہے۔ خدمت خلق کا بیڑا نہیں اٹھایا جو شروعات گھر سے کا نعرہ لگا کر چل پڑیں۔ ایسے تو کل کو کسی لڑکے کا رشتہ آیا اور ایسی کسی صورت حال سے دو چار ہونا پڑا تو کیا ہم اس لڑکے سے بھی شادی کرلیں گے۔" کشف نے ان سب کو گھورا اور دوبارہ سے اپنے سابقہ شغل یعنی ٹہلنے میں مصروف ہوگئی۔ کمرے میں ایک بار پھر سے گہری خاموشی چھا گئی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ان کی پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"دیکھو! میری تجویز پر غور تو کرو ایسی بھی بری نہیں ہے۔" ایمن نے ان سب کو پریشان دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"ویسے ایمی تمہارا آئیڈیا واقعی ہی برا نہیں ہے۔ دیکھو ہم سب کے بھائی تو بک ہیں، کرن کا چھوٹا ہے اور تمہارا کوئی ہے نہیں مگر اس کے باوجود تمہیں اسے گھر میں رکھنے کا شوق چڑھ رہا ہے تو ایک کام کرو تم اس کو اپنی اماں بنالو۔ اس کی شادی بھی ہوجائے گی اور تمہارا اسے گھر رکھنے کا شوق بھی پورا ہوجائے گا۔" کشف نے اس کی ایک ہی رٹ پر دانت پیسے اس بات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے مگر میری پرانی اماں نے ابا اور نئی مام کے ساتھ ساتھ مجھے بھی چوٹی سے پکڑ کر گھر سے باہر کر دینا ہے۔ نئی مام تو اپنے میکے چلی جائیں گی، ابا بھی سمجھو سسرال میں ہی سیٹ ہوجائیں گے۔ مسئلہ میرا ہے میں کدھر جاؤں گی؟ میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔" ایمن نے برا منائے بغیر تسلی سے جواب دیا۔

"تم لوگوں کو شرم تو نہیں آتی کسی کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کرتے ہوئے۔ وہ اگر سن لے نہ تو تم سوچ سکتی ہو کیا کرے گی۔" انزہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے مسکرائی۔

"یار ایمن پلیز! یہ چٹکلے پھر کبھی چھوڑنا اور تم کیا یہاں نیند پوری کرنے آئی ہو اٹھو اور کچھ سوچو۔" کشف نے پہلے ایمن اور پھر سستی کا عملی نمونہ پیش کرتی کرن کو جھنجھوڑا۔

"تم لوگوں نے سوچ کر کون سا چاند چڑھا لیا جو میں سوچوں گی۔" کرن نے آنکھیں مل کر نیند بھگانی چاہی اور اگلے ہی لمحے آنکھیں کھولتے ہوئے وہ اچھلی۔

"ارے ہاں۔"

"کیا...... کیا۔" وہ تینوں بیک وقت اس کی جانب جھکیں۔

"نہیں یار۔" وہ ڈھیلے انداز میں کہتی پیچھے ہوکر بیٹھی۔

"دفع ہوجاؤ۔" اب کی بار بھی ان تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"میں نے تمہارا دماغ پھاڑ دینا ہے۔" کشف نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"اندر سے کچھ نکلنا ہے نہیں۔ فضول میں اتنا بکھیڑا ڈالو گی۔" ایمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک تو مجھے ان ماؤں کی سمجھ نہیں آتی۔ بھئی جو کام ان کے کرنے کے ہیں وہ کریں۔ یہ کام میرج بیورو والوں کا ہے وہ خود کریں گے مگر نہیں جب تک یہ لڑکوں کی مائیں دو چار سموسے اور کباب پیسٹریاں اڑا کر لڑکی کو چلا پھرا کر ٹھوک بجا کر چیک نہیں کرلیتیں ان کے کلیجے کو ٹھنڈ نہیں پڑتی گویا لڑکی نہ ہوئی ذبح کا جانور ہوگیا۔" کشف کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی۔

"یہ تو ہے۔ ہر زاویے سے چیک کر کے بہو پسند کرتی ہیں اور شادی کے چوتھے دن ہی انہیں اپنی ہی پسند کی ہوئی لڑکی میں سو طرح کے نقص نظر آنے لگتے ہیں۔" انزہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم تو بیٹھ جاؤ ایسے پریشان ہونے سے کیا ہوگا۔ اگر خدانا خواستہ کوئی لڑکا نہ بھی ملا تو سیدھی سی بات ہے، ہم فیس واپس کر کے معذرت کرلیں گے۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔" ایمن نے کمرے میں چکر کاٹتی کشف کو کھینچ کر اپنے ساتھ والی کرسی بٹھایا۔

وہ دونوں اس وقت عمر صاحب جو کہ ان کے سگے چچا تھے ان کے گھر کے لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایمن ٹی وی

پر کوئی ایوارڈ شو دیکھ رہی تھی اور ساتھ ساتھ پلیٹ میں رکھی چپس بھی کھا رہی تھی جبکہ کشف گال پر ہاتھ رکھے منہ لٹکائے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ فرحین چچی کچن میں ان کے لیے چائے بنا رہی تھیں۔ عمر چچا باہر سے آئے تو سیدھا لاؤنج میں ان دونوں کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ ایمن تو ان کی باتوں کا جواب دے رہی تھی مگر کشف ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی جس کو دیکھ کر عمر چچا کو تعجب ہوا۔ وہ اتنے دیر چپ بیٹھنے والوں میں سے تھی تو نہیں۔

"آج چہکتی چڑیا بڑی خاموش ہے۔ خیر تو ہے؟ کہیں بھابھی سے ڈانٹ تو نہیں کھا کر آئی؟"

"عنقریب چہکتی چڑیا کے پر کٹنے والے ہیں۔ کاروبار کا جو آئیڈیا اس کے دماغ میں سمایا تھا اس کا بہت برا انجام ہونے والا ہے۔" ایمن نے ہنستے ہوئے انہیں بتایا۔

"خدا خیر کرے۔ ایسا کیا ہوگیا؟ کیا بات ہے کشف بیٹا؟ ایسے کیوں پریشان بیٹھی ہو؟"

"شادی کے لیے لڑکا نہیں مل رہا ہے۔" کشف نے پریشانی میں پیشانی مسلی۔

"اسی لیے میں کہتی ہوں کہ شرارتیں تھوڑی کم کیا کرو۔ آج کل کے لڑکوں کو کم گو، اچھی، سلجھی ہوئی لڑکیاں ہی اچھی لگتی ہیں اور تمہاری پٹر پٹر خیر سے ہمیں یہاں اپنے گھر میں بھی بیٹھے سنائی دیتی ہیں۔" ان کے لیے چائے لاتی فرحین چچی کی بات سن کر اور کشف کا کھلا منہ دیکھ کر ایمن اور عمر چچا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ چھائی۔

"یار چچی اپنے لیے تھوڑی نہ بول رہی ہوں، میرج بیورو میں ایک لڑکی کے لیے بات کر رہی ہوں۔ کتنی کوشش کر چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی نہیں ملا۔" کشف نے جھلا کر کہا۔ فرحین چچی اس کے جواب پر سر ہلا کر خاموش ہوگئیں۔ وہ سب چائے پینے کے ساتھ ساتھ ٹی وی بھی دیکھ رہے تھے کہ کشف جو کچھ سوچ رہی تھی ایک دم آنکھیں بڑی کرتے ہوئے چہکی۔

"آئیڈیا۔"

"چاچو، چچی آپ سے جھگڑتی ہیں نا تو آپ ایک کام کریں کہ دوسری شادی کر لیں۔ ہمارا کام بھی ہو جائے گا اور آپ کو بھی پڑھی لکھی اور نوعمر خوب صورت بیوی مل جائے گی۔"

"ہک ہا بیٹا! ایک مدت ہوگئی ہے شادی کا لڈو کھا چکا ہوں اب تو حسرت ہی نہیں رہی۔" عمر چچا نے آہ بھری۔

"تو اس میں کیا بڑی بات ہے ایک اور کھا لیں۔ ویسے بھی اب وہ پرانا ہو چکا ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"نہ بیٹا لڈو چاہے جتنا بھی پرانا ہو چکا ہے مگر ابھی تک گلے میں اٹکا ہوا ہے۔ تقریباً پندرہ سال ہوگئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ نہ نگل پا رہا ہوں اور نہ ہی اگل۔" انہوں نے بے چارگی سے کہتے ہوئے فرحین چچی کو دیکھا۔

"اس کا آسان ساحل ہے کہ آپ دوسرا بھی کھا لیں اگر گولی گلے میں اٹک جائے تو پانی کا استعمال کرتے ہیں نہ اور وہ گھل کر آسانی سے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ آپ بھی یہی نسخہ آزمائیں، ان شاءاللہ افاقہ ہوگا۔"

"اور اگر دونوں ہی گلے میں پھنس گئے تو؟" ان کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ بھی اس کی باتوں کو خوب انجوائے کر رہے ہیں مگر فرحین چچی کے بگڑے تاثرات باتوں میں مصروف کشف نہیں دیکھ پائی تھی۔

"تو پھر اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اور ویسے بھی بیویوں کے ستائے مردوں کی مغفرت لازمی ہونی چاہیے کیونکہ وہ اسی دنیا میں ہی اپنے گناہوں کا بھگتان بھگت چکے ہوتے ہیں۔ ایسے میں ان کی واحد آرام گاہ قبر ہی بچتی ہے، اگر اس میں بھی سکون میسر نہ ہو تو یہ تو زیادتی ہو جائے گی۔ آپ نے وہ شعر تو سنا ہوگا کہ "مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے" تو بس اگر وہاں بھی آپ کی سنوائی نہ ہوئی تو مرضی ہے پھر اللہ پاک کی، کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟ شادی کے لیے لڑکا نہیں مل رہا تو چچا کی دوسری شادی کرواؤ گی؟" فرحین چچی نے اس کو باز نہ آتا دیکھ کر گھر کا۔

"ارے چچی آپ غصہ کیوں کر رہی ہیں؟ اچھا ہے ناں آپ نئی کے ساتھ مل کر چچا جان سے اپنے سارے بدلے لیجیے گا۔"

"کاشی مجھے حالات خراب ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ چلو چلتے ہیں۔" ایمن فرحین چچی کو غصے میں دیکھتے ہوئے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"چچا جان کیا سوچا آپ نے پھر؟" اس نے ایمن پر دھیان دیے بغیر عمر چچا سے پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں کیا سوچا ہے۔" فرحین چچی جارحانہ انداز میں اٹھیں تو وہ دونوں وہاں سے پل میں غائب ہوئیں۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے چائے کے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئیں جبکہ عمر چچا مسکراتے ہوئے ٹی وی پر نیوز چینل لگا کر خبریں سننے لگے۔

عمر چچا کے گھر سے نکل کر وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے باتیں کرتی گھر جانے کی بجائے سڑک کراس کر کے دوسری جانب بنے پارک کی طرف چلی آئیں۔ ابھی وہ پارک کے دروازے پر ہی پہنچی تھیں کہ کشف کی نظر ایک چھبیس ستائیس سالہ لڑکے پر پڑی جو اپنی گاڑی کی ڈگی میں کچھ رکھ رہا تھا۔ وہ ایمن سے اپنا ہاتھ چھڑواتی اس کی طرف آئی۔

"ایکسکیوزمی بھائی صاحب! ہم لوگ جھٹ پٹ میرج بیورو سے ہیں اور لوگوں کی شادیاں کرواتے ہیں۔ اب تک جتنے لوگوں کے جوڑے بھی ہمارے ذریعے بنے ہیں، الحمدللہ وہ اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ یہ ہمارا کارڈ ہے آپ ہم سے کل کسی بھی وقت رابطہ کر لیجیے گا۔" اس نے ایک ہی سانس میں بول کر موبائل کے کور سے کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"جی؟" وہ جو اس اچانک ہوئے حملے پر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا محض اتنا ہی کہہ سکا۔ ایمن تقریباً بھاگ کر اس کی طرف آئی۔

"بھئی میرا مطلب ہے کہ ہمارا ایک چھوٹا سا میرج بیورو ہے اور ماشاء اللہ سے آپ کی بھی عمر ہو چکی ہے اب شادی نہیں کریں گے تو کیا بڑھاپے میں ہاتھ میں چھڑی لیے کپکپاتے ہوئے دلہن لینے جائیں گے؟"

"کیا کر رہی ہو۔ چلو یہاں سے۔" ایمن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جانا چاہا۔

"محترمہ آپ شاید پاگل خانے سے آئی ہیں؟" اس لڑکے نے اس کی بے تکی بات پر اسے گھورا۔

"جی مجھے آپ کو لینے بھیجا گیا ہے۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"آپ جاتی ہیں یا میں پولیس کو کال کروں؟ بی بی لے کر جائیں انہیں اور علاج کرائیں۔" اس نے پہلے کشف اور پھر ایمن سے کہا۔

"ایم سوری یہ بس ایسے ہی۔" ایمن معذرت کرتی اسے کھینچ کر پارک کے اندر لے گئی۔ وہ لڑکا بھی سر جھٹکتا گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

"یااللہ کاشی! تم کیوں اتنی سمجھدار ہو۔" اس نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"ایسے معاملات میں سمجھدار ہونا پڑتا ہے ورنہ بندہ کامیاب نہیں ہوسکتا اور یونو میں کافی سے بھی زیادہ سمجھدار ہوں۔" اس نے فخر سے خود کو ہی داد دی۔

"تمہاری سمجھداری کو میں اس وقت سلامی نہیں دے سکتی اور یہ بتاؤ یہ کارڈ اپنے پاس کیوں رکھا ہوا تھا؟"

"اسی طرح کی ایمرجنسی کے لیے ہی رکھا ہوا تھا اب دیکھو نہ کام آ گیا۔" اس کے جواب پر ایمن رک کر اسے گھورنے لگی مگر وہ جان کر بھی انجان بنتی آگے چل دی۔

وہ چاروں دفتر میں بیٹھی تھیں کہ ایک ادھیڑ عمر خاتون اندر آئیں۔ اپنے سابقہ تجربے کی بنا پر اس بار انہوں نے خاتون کو دیکھ کر کسی قسم کی کوئی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ وہ خاتون خود ہی آ کر کرسی پر بیٹھیں۔

"اٹھو لڑکی! ایک گلاس پانی تو پلاؤ۔ بڑی گرمی ہے باہر۔" ان خاتون نے ایمن کو ٹہوکا دیا۔

"جی آنٹی! کہیے کیسے آنا ہوا؟" پچھلے تجربے کی بنا پر انزہ

نے اس بار پہلے پوچھنا مناسب سمجھا۔
"تم لوگوں کا اشتہار دیکھا تھا تو میں اسی سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔ میرا بیٹا اچھا کھاتا کماتا ہے، ہمارا اپنا ذاتی گھر اور گاڑی ہے۔ میرے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی، چاند سی لڑکی دکھادو میں منہ مانگی فیس دوں گی۔" ان کی بات سن کر چاروں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"جی بالکل آنٹی۔ ہمارے پاس ابھی ایک لڑکی کا رشتہ موجود ہے جو دیکھنے میں چاند سے بھی زیادہ حسین ہے۔ ہم آپ کو اس کی تصویر دکھادیتے ہیں۔ آپ پسند کر لیجیے باقی کے معاملات پھر طے کرلیں گے۔" انزہ نے دراز سے تصویر نکال کر ان کے سامنے رکھی۔ وہ کچھ دیر تک غور سے تصویر کو دیکھتی رہیں پھر اپنے پرس سے چشمہ نکال کر پہنا اور دوبارہ سے دیکھنے لگیں۔
"ہمم...... واقعی لڑکی ہے تو چاند سی مگر اس کی ناک کچھ پتلی لگ رہی ہے اب اللہ جانے کہیں کوئی فلٹر تو استعمال نہیں کیا تصویر لیتے ہوئے۔ خیر پچھلی والی سے تو لاکھ درجے پیاری ہی ہے۔" وہ خاتون تصویر کا معائنہ کرتے ہوئے بڑبڑائیں۔ وہ چاروں ان کو یوں جائزہ لیتے دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ مزید کچھ دیر تک لڑکی کے نین نقش کا ایکسرے کرنے کے بعد انہوں نے ہنکارہ بھرا۔
"ہوں مجھے لڑکی پسند ہے۔ تم لوگ بات پکی کر کے مجھے بتادینا لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ مجھے اپنے بیٹے کی شادی فوراً کرنی ہے میں زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ انتظار کرسکتی ہوں۔"
"جی جی بالکل آپ کی خواہش کے مطابق ہی کام ہوگا۔ آپ لڑکے کی تصویر، گھر کا پتا اور فون نمبر وغیرہ لکھوا دیں۔ ہم ایک دو دن تک آپ سے رابطہ کرتے ہیں۔ ہماری فیس بیس ہزار روپے ہے آپ وہ جمع کروادیں۔ ان شاء اللہ آپ کا کام ہوجائے گا۔" انزہ نے متانت سے جواب دیا۔ وہ خاتون اپنا پتا لکھوا کر فیس جمع کروانے کے بعد چلی گئیں۔
"شکر ہے۔" ان چاروں نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

ایمن اور کرن لڑکے کے گھر تفتیش کی غرض سے لاونج میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں اور سامنے صوفے پر لڑکے کی ماں اور بہن بیٹھی ان کو اپنے بارے میں تفصیل بتا رہیں تھیں۔ ان کے بڑھ چڑھ کر اپنے بارے میں بتانے پر ایمن اور کرن ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ وہ دونوں جب ان کے گھر کا تفصیلی چکر لگا کر واپس جانے لگیں تو ان خاتون نے چپکے سے دونوں کی مٹھی میں پانچ پانچ سو کے نوٹ تھمائے اور ان کے پوچھنے پر ان کے گھر میں پہلی بار کسی لڑکی کے آنے پر بیٹی سمجھ کر خالی ہاتھ نہ بھیجنے کی ریت قرار دی۔ باہر آ کر انہوں نے آس پاس کے گھروں سے ان کے بارے میں تھوڑی بہت پوچھ گچھ کی اور دفتر کی جانب چل پڑیں۔
وہ دونوں ایک گھنٹے کی خواری کے بعد پسینے میں شرابور دفتر پہنچیں تو انزہ نے اٹھ کر انہیں پانی دیا اور منہ ہاتھ دھو کر فریش ہونے کو کہا۔ وہ دونوں باری باری منہ دھو کر آئیں۔
"دیکھو بھئی! مجھے تو سب کچھاو کے لگا ہے اور ان خاتون کی ڈیمانڈ کے عین مطابق بھی ہے تو میرا نہیں خیال کہ کچھ پرابلم ہوگی تم اللہ کا نام لے کر ان آنٹی کو کال کردو۔"
"مگر مجھے جانے کیوں کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔" کرن نے دوپٹے سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے کہا۔
"کیسی گڑبڑ؟" ان تینوں نے چونک کر پوچھا۔
"وہ عورت بہت زیادہ پیار جتا رہی تھی۔ ہم دونوں کو آتے ہوئے پانچ پانچ سو روپے بھی دیے اور ایک بات ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے محض دو ماہ ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کہاں رہتے تھے کسی کو نہیں پتا اور نہ ہی یہ پتا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کیوں کہ بقول ہمسایوں کے یہ کسی کے ہاں آتے جاتے بھی نہیں۔"
"لگ تو مجھے بھی وہ خاتون کچھ مشکوک رہی تھی مگر مجھے لگا شاید میرا وہم ہوگا۔" ایمن نے بھی اپنا شک ظاہر کیا۔
انزہ کی نظر دیوار کے پاس کرسی پر بیٹھی کشف پر پڑی تو اس نے اشارے سے دونوں کو اسی کی طرف متوجہ کیا جو اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کافی مضطرب دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ تینوں جلدی سے اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔
"کیا بات ہے کشف؟ ایک دم سے اتنی بے چین کیوں ہوگئی ہو؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" انزہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا مگر منہ سے کچھ نہیں بولی۔
"کاشی جان اگر تم اس رشتے کے بھی ہاتھ سے نکل جانے پر افسردہ ہو رہی ہو تو کوئی بات نہیں۔ ہم لوگ ابھی نئے ہیں نہ اس لیے جلدی پریشان ہوجاتے ہیں، ورنہ کاروبار میں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔" ایمن نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پچکارا۔
"نہیں میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"
"کیا؟" انزہ نے پوچھا۔
"میں سوچ رہی تھی کہ اگر ایک ہزار کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہم چاروں کو کتنے ملیں گے، مگر یار حساب ہے کہ ہو ہی نہیں رہا۔ دو دو سو گن کر ایک سائیڈ پر رکھتی ہوں تو باقی جو بچتے ہیں ان میں کنفیوز ہو جاتی ہوں۔ بس اسی میں پھنسی ہوئی ہوں۔" اس کی سنجیدگی دیکھنے لائق تھی۔ اس کی بات پر انزہ نے ایک طویل سانس خارج کی اور نفی میں سر ہلاتی واپس اپنی جگہ پر بیٹھی جبکہ ایمن غصے اور کرن نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"کون سا ہزار اور اس کے چار حصے کیوں کرنے ہیں؟" کرن نے دل میں اٹھتے سوال کو زبان دی۔
"اس کو اس ہزار کے حصے کرنے ہیں جو ہم دونوں کو اس خاتون نے دیے ہیں۔" ایمن نے دانت پیسے۔
"لو بتاؤ بھلا! اس کو کس نے کہا کہ ہم اسے دیں گے؟" کرن نے تعجب سے پوچھا۔
"او ہیلو! ہم میں طے ہوا تھا کہ آمدنی آدھی آدھی ہوگی۔" گنتی کو چھوڑ کر اسے دوسری فکر لگی۔
"محترمہ آمدنی کا کہا تھا تحائف کا نہیں۔" ایمن نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"اب اگر تم لوگوں کا ہو گیا ہو تو کام کر لیں؟" ان کو آپس میں بحث کرتے دیکھ کر انزہ نے انہیں ٹوکا۔

"کر لو کام۔ روکا کس نے ہے مگر ایک بات کا خیال رکھنا اس ہزار کے چار حصے ہوں گے تو ہوں گے ورنہ ان کے بیگ تو یہیں رکھے ہوتے ہیں۔" کشف نے منہ بگاڑتے ہوئے دھمکی لگائی۔
"اپنی اپنی کرسیاں اٹھاؤ اور ایک لفظ کہے بغیر یہاں آ کر بیٹھو اور تم دو سو مجھ سے لے لینا۔" انزہ نے حتمی لہجے میں کہا تو وہ تینوں اس کے پاس جا بیٹھیں اور آگے کا لائحہ عمل تیار کرنے لگیں۔
آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب ان چاروں کو ان کی محنت کا پھل یا پھر رج کے ذلالت ملنے والی تھی۔ شادی ہال کو کسی دلہن کی مانند برقی قمقموں سے بہت ہی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ زرق برق لباس میں ملبوس خواتین اور مرد حضرات خوش گپیوں میں مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ بیک گراؤنڈ پر دھیمے سروں میں موسیقی بج رہی تھی۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے ویٹرز ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔
وہ چاروں بھی تیار ہو کر ادھر سے ادھر گھوم رہی تھیں۔ لڑکے لڑکی سے زیادہ تو وہ چاروں خوش لگ رہی تھیں۔ ان کا پہلا پروجیکٹ نہایت کامیابی سے مکمل ہو رہا تھا۔ اس بات کی خوشی ان کے چہرے پر عیاں تھیں۔ دولہے کی ماں جانے کیوں بہت جلدی میں تھیں اور بار بار آ کر نکاح کا کہہ رہی تھیں اور ان کے ہی جلدی مچانے پر بالآخر دلہن کی سہیلیوں نے دلہن کو لا کر اسٹیج پر بٹھا دیا۔ ابھی نکاح شروع ہی ہوا تھا کہ ہال کے دروازے سے کچھ لوگ جنہوں نے ہاتھ میں بندوقیں اور ڈنڈے پکڑ رکھے تھے اندر آئے۔ ساتھ ایک اٹھائیس انتیس سال کی لڑکی بھی تھی۔ وہ لوگ حلیے سے ہی گاؤں کے لگ رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر دلہا اور اس کی ماں کے چہروں کا رنگ اڑا۔ ان لوگوں کو اسٹیج کے پاس آ کر کھڑے ہوتے دیکھ کر ایمن نے انزہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا ہو رہا ہے اور جواباً اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسٹیج پر پہنچتے ہی ان لوگوں نے اپنی بندوقیں دولہا پر تان دیں۔ دولہے کی ماں گمبھیر صورت حال دیکھ کر اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے اور ہمت جمع کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"اے ہے ہے ہے۔ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ یہ بھی آپ نے خوب کہا جبکہ پوچھنا تو مجھے چاہیے کہ آپ یہاں پر یہ سب کیا کر رہی ہیں؟ مجھے گھر سے نکال کر یہاں چھپ چھپا کر اپنے بیٹے کی دوسری شادی کروا رہی ہیں۔" لڑکی نے ہاتھ نچا نچا کر کہا۔
"کون ہیں یہ لوگ اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اب کے دلہن کی ماں بھی صورت حال دیکھ کر تشویش زدہ سی اٹھ کر ان کے پاس آئیں۔
"ارے ان سے کیا پوچھ رہیں ہیں مجھ سے پوچھیں۔ میں ان کی بہو ہوں۔ سات سال پہلے شادی ہوئی تھی خیر سے پانچ سال کی بیٹی بھی ہے ہماری۔" اس نے دلہن اور اس کی ماں سمیت ان چاروں پر بھی بم پھوڑا۔ اس کے انکشاف پر کشف جو ایمن کے کندھے پر بازو رکھے کھڑی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ہو کیا رہا ہے، اس کا بازو بے اختیار اس کے کندھے سے نیچے گرا۔ انزہ اپنا ماتھا پیٹ کر رہ گئی۔ کرن نے ان تینوں کو جتاتی نظروں سے دیکھا گویا کہہ رہی ہو کہ دیکھ لو میں نے کہا تھا کچھ گڑبڑ ہے۔
"دیکھو یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ ہم گھر جا کر بات کرتے ہیں۔" دولہے کی ماں نے سب لوگوں کو اپنی طرف دیکھتا پا کر پیار سے صورت حال کنٹرول کرنا چاہی۔
"نہ چاچی! اب تو جو بات ہوگی یہیں سب کے سامنے ہوگی۔ پہلے آپ اور آپ کی اس بیٹی نے مجھے گھر سے نکالا اور پھر اپنے بیٹے کی دوسری شادی کرنے چل پڑیں اور آپ وہ دولہے کی طرف مڑی۔"
"آپ کو ذرا خیال نہیں آیا؟ میرا نہ سہی اپنی بیٹی کا ہی سوچ لیتے۔ اس عمر میں سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کی آخر سوجھی ہی کیا تھی؟" اس لڑکی کی آواز غم و غصے کے باعث پھٹ سی رہی تھی۔
"تو فکر مت کر بہن، اس کے سینگ دوبارہ سے جوڑ کر اس کو بیلوں میں شامل کرنا اب ہمارا کام ہے تو بس دیکھتی جا۔" اس کا بڑا بھائی اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا پھینک کر غصے سے دولہے کی طرف بڑھا اور اس کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ہال سے باہر لے گیا۔ اس کے پیچھے ہی دولہے کی ماں اور بہن بھی واویلا کرتی ہوئیں میرج ہال سے نکلیں۔
"ان سب کے بعد اب وچولوں کی باری ہے اس لیے ایک۔ ایک کر کے کھسکو یہاں سے۔" ایمن نے صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے آہستگی سے ان تینوں کو باہر کا اشارہ کیا۔
"پانچ پانچ سو تم لوگ ہی لے کر آئے تھے لہٰذا اب بھگتو۔" کشف ابھی تک انہی پیسوں پر اٹکی تھی۔ ایمن اسے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب بڑھی۔ لڑکی کی ماں جو اپنی بیٹی کے پاس بیٹھی اس کو سنبھال رہی تھیں ان کو نکلتا دیکھ کر اچانک سے زوردار آواز میں گرجیں۔
"رکو!" تیزی سے باہر کی طرف جاتیں ان چاروں کے قدموں کو بریک لگی۔
"جج جی؟" انزہ ان کے تیور دیکھ کر ڈرتے ہوئے بولی۔
"میں نے کہا تھا کہ اگر کام نہیں ہوتا تو مجھے بتا دینا مگر تم لوگوں نے میری بیٹی کا مذاق بنا کر رکھ دیا۔ چھوڑوں گی نہیں میں تم سب کو۔" وہ جھک کر نیچے پڑا ڈنڈا اٹھانے لگیں۔ جس کو دیکھ کر ان چاروں نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی اور اپنی گاڑی کے پاس جا کر دم لیا۔
"چاردن کے لیے دفتر کو تالا لگاؤ اور......"
"اور گھر سے تو کیا اپنے کمروں سے بھی مت نکلنا۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کشف نے انزہ کی بات اچکی۔ گاڑی میں بیٹھتی ایمن کا بے ساختہ قہقہہ گونجا۔ پیچھے کھڑی کرن نے اس کو گاڑی کے اندر دھکیلا اور خود بھی جلدی سے بیٹھی۔ ان کے بیٹھتے ہی انزہ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کچھ ہی دیر میں سڑک پر ان کی گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھی۔

ایشا گل

افسردگی کے ہاتھوں جل جل تھک گئے ہیں
اے دل ذرا ٹھہر! ہم چل چل کے تھک گئے ہیں
جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو
ہم اہلِ خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں

''میاں ویسے خوش قسمت ہو تم کہ تمہیں اس بوڑھی دنیا سے کوئی لے کے جا رہا ہے ورنہ ہم بے چاروں کی تو حسرت ہی رہ گئی کہ کوئی بچہ دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھے ہماری آپ بیتی بھی سنے۔''

اس اولڈ ہاؤس میں مجمع لگائے تمام بوڑھے حضرات آج اکبر میاں کو الوداعی کلمات کہنے آئے تھے جو تین سال سے یہاں رنج و غم کا سامان لیے بیٹھے تھے۔

''بہت ہی کوئی بھلا بچہ ہے تمہارے بہانے ہی سہی یہاں روز آتو جایا کرتا تھا مگر اب تو تم اسی کے پاس جا رہے ہو اب بھلا کہاں چکر لگائے گا۔'' وہی بزرگ یعنی شفقت میاں افسردگی بھرے لہجے میں ظہیر میاں سے مخاطب تھے۔

''ارے بھئی اتنے خاموش کیوں ہو خوش کیوں نہیں ہو جاتے ایک نئی فیملی ملنے جا رہی ہے تمہیں اس بدبخت اولاد اور بیوی نے تو اس عمر میں نکال باہر کیا۔ میرا تو چلو کوئی آگے رہا تھا نہ پیچھے مجبوراً اس اولڈ ہاؤس میں پناہ لینی پڑی مگر تم ان بیوی بچوں کا غم منانا بند کرو جو اپنے اعمال خود ہی بگاڑنے پہ تلے ہیں تمہاری خدمت کرنے کی بجائے ناکارہ اور بوجھ سمجھ کر کسی بے جان شے کی مانند یہاں چھوڑ گئے۔'' شفقت میاں نے افسوس سے نفی میں سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''اعمال تو میں نے اپنے خراب کیے ہیں شفقت گناہ تو مجھ سے ہوا تھا جس کی سزا بیوی بچوں کے ذریعے ملی۔ بارگاہ الٰہی میں سر جھکا کے توبہ کے کھلے دروازوں میں بھی داخل ہونا چاہا مگر اب تو لگتا ہے جیسے اس گناہ کا پچھتاوا آخری سانس تک میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔'' کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں مرکوز کیے وہ شدت تکلیف سے گویا ہوئے جس پہ تمام بزرگ حضرات نے ناسمجھی اور استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''کیسا گناہ بڑے میاں......؟'' ان سے کم عمر ایک بزرگ نے پوچھا۔

''وہ گناہ جس کی سزا مجھے اس جگہ لائی وہ گناہ جو میں نے اس کی فریادوں اور آنسوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے بے رحمی سے کیا۔''

''کس کی......؟'' سوال پوچھا گیا۔

''اپنے بچے کی۔'' ان کی آنکھ سے آنسوؤں کی لڑی

ٹوٹ کر بے مول ہوئی۔

''میں نے اپنی دوسری بیوی کی باتوں میں آ کر اپنے ہی بچے کو وحشیوں کی مانند مارتے ہوئے گھر سے نکال باہر کیا اور ہمیشہ کے لیے وہ دروازہ اس پہ بند کر دیا...... وہ کہتا رہا ابا میرا کوئی قصور نہیں ہے میں نے زیور چوری نہیں کیے میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی...... وہ کہتا رہا قسم لے لیں ابا جو آپ کی تربیت کے خلاف جا کے کچھ کیا ہو تو مگر میں نے بے دردی سے نظر انداز کیا...... وہ ناجانے کہاں گیا مگر لوٹ کر نہ آیا...... مجھے اسی پہ کیے ظلم کی سزا ملی ہے۔ شفقت کہ میرے بیوی بچے مجھ سے بے زار ہو گئے۔ مجھ بیمار بوڑھے کے پاس بیٹھنے کے لیے دو گھڑی کا وقت نہ بچا ان کے پاس۔ مجھے بوجھ کہا گیا' مجھے نحوست زدہ کہا گیا بدبودار ناکارہ اور ناجانے کیا کیا...... مجھے یہاں ایسا چھوڑا کہ پلٹ کر خبر نہ لی مگر یہاں آ کر دن رات مجھے میرا بچہ یاد آتا رہا میرا عبداللہ جسے میں نے تب گھر سے نکالا جب وہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے قابل نہ تھا ناجانے کہاں ہو گا کس حال میں ہو گا۔'' اکبر میاں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ کر ان کے رخساروں کو بھگو گئے۔

''ٹھک ٹھک ٹھک...... دروازے پہ دستک ہوئی تو دروازہ کھول دیا گیا۔

''ارے آؤ آؤ شمس بیٹا! تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے ہم۔'' شفقت میاں نے وجاہت سے بھرپور اس شخص کو دیکھتے ہوئے خوش دلی سے اندر آنے کی اجازت دی۔

''میں آپ کو لینے آیا ہوں آپ تیار ہیں۔'' دوزانو فرش پہ بیٹھتے ان کے گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے سوالیہ نگاہوں سمیت پوچھا۔

''میں گناہ گار ہوں بیٹا! میں نے اپنے گیارہ سالہ بیٹے کو بنا اس کے قصور کے دھکے دے کر مارتے ہوئے گھر سے نکال دیا مجھ پہ ترس مت کھاؤ میں اسی قابل

ہوں، تم چلے جاؤ شمس مجھے میری بوئی ہوئی فصل کاٹنے دو مجھے میرا کیا بھگتنے دو میں خطا کا پتلا ہوں مجھے میری خطاؤں کی کھیتی کے کڑوے پھل نگلنے دو۔" ظہیر میاں دونوں ہاتھوں کو نفی میں حرکت دیتے ہوئے اسے انکار کرنے لگے۔

"میں یہ سب جانتا ہوں۔" وہ آزردگی سے بولا۔ سب نے استعجاب سے اسے دیکھا اور استفسار کیا کہ وہ کیسے جانتا ہے۔

"کیونکہ میں ہی عبداللہ ہوں...... آپ کا وہ بیٹا جس پہ آپ نے نا جانے کیوں اعتبار نہ کیا' جس کے لفظوں کی صداقت پہ آپ نے اپنی سماعتوں اور فریادوں کی صداقت پہ اپنی آنکھوں کو مقفل کر لیا۔" شمس یعنی عبداللہ نے سب کے سروں پہ جیسے بم پھوڑا تو اس سے اٹھنے والے دھوئیں میں چند لحظوں کے لیے تو کسی کو کچھ سوجھائی ہی نہ دے سکا۔

ظہیر میاں نے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہی چلے گئے۔

"جس طرح بوڑھے لوگوں کے لیے اولڈ ہاؤس ہوتا ہے اسی طرح بچوں کے لیے بھی چلڈرن ہاؤس ہوتا ہے میں وہاں چلا گیا تین سال میں بھی وہاں اپنی بے قصوری کا غم مناتا رہا مگر پھر ایک امیر فیملی نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر وہاں سے رہائی بخشی پڑھائی کی غرض سے مجھے جرمنی بھیجا مگر جب میں واپس آیا تو بدقسمتی سے ان کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزار پایا۔ عمرے کے لیے جانے والے ہوائی جہاز کے کریش ہو جانے کے باعث وہ مجھے داغ مفارقت دے گئے میں ایک بار پھر سے تنہا ہو گیا۔

میں نے بہت سوچا آپ کے دروازے پہ جاؤں دستک دوں آپ کو دیکھوں سنوں ایک بار پھر اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں مگر ان ہی سوچوں میں مزید برس سرک گئے مگر پھر کچھ مہینے پہلے میں نے ارادہ کیا اور اسی دروازے پہ گیا جہاں سے روتے ہوئے میری نئی زندگی کا سفر شروع ہوا تھا مگر ان سے معلوم ہوا کہ اب آپ وہاں نہیں بلکہ اولڈ ہاؤس میں رہتے ہیں یقین مانیں یہ سن کر اتنی تکلیف پہنچی جتنی شاید آپ کی بے اعتباری پہ بھی نہیں پہنچی تھی...... میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ ابا! آپ اب سے میرے ساتھ رہیں گے اپنے بیٹے کے ساتھ......"

عبداللہ نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے ماتھے سے لگا لیے جبکہ ظہیر میاں کو تو اپنی قسمت پہ یقین ہی نہیں آرہا تھا ان کا بیٹا انہیں مل گیا تھا وہ بیٹا جسے انہوں نے دھکے دے کر گھر سے نکالا آج وہی انہیں ایک گھر فراہم کرنے والا تھا جبکہ جس کی خاطر نکالا اسی بیوی اور بچوں نے ان کی زندگی کے کئی سال جو رونق، قہقہوں محبت و مان کی چاہ لیے ہوئے تھے برباد کر دیے۔

آج اتنے سالوں بعد اس کے منہ سے لفظ "ابا" سن کر ان کے تپتے کلیجے پہ ٹھنڈے پانیوں کی پھوار پھوٹ پڑی تھی۔ دل سے جیسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ اتر گیا تھا۔ آنکھوں کو جیسے قرار آ گیا تھا۔

"میرا پیارا بیٹا...... میرا عبداللہ اپنے باپ کو اس کے کیے کے لیے معاف......"

"نہیں ابا! معافی تو تب بنتی ہے جب مجھے آپ سے گلے شکوے ہوں ناراضی ہو۔" عبداللہ نے نرمی سے ان کی بات کاٹی۔

"ہاں جس وقت آپ نے نکالا تب اتنی سمجھ نہ تھی تو بہت غصہ آیا ناراض تھا مگر پھر سب بھول بھال کر آپ کو دیکھنے اور بات کرنے کے لیے ترستا رہا الٹا یہ سوچتا رہا کہ بس ایک بار آپ کو اپنے بے قصور ہونے کا یقین دلا دوں۔" عبداللہ ابھی تک ان کے ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

"بھئی بہت مبارک ہو ظہیر میاں! قسمت تو اصل معنوں میں اب جاگی ہے تمہاری اس اولڈ ہاؤس نے پہلی بار ہی سہی مگر کسی کی قسمت کا تارہ تو روشن کیا۔" شفقت میاں مبارک باد دیتے بولے۔

''آپ کی جگہ اس اولڈ ہاؤس میں نہیں بلکہ میرے ہاؤس میں ہے جہاں آپ کی بہو اپنے سسر اور دو پوتے بے صبری سے اپنے دادا کا انتظار کررہے ہیں۔'' اس نے اصل خوش خبری تو اب سنائی جسے سن کر ظہیر میاں خوش گوار حیرت میں گھر گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ارے پہلے کیوں نہیں بتایا ان ننھے بچوں کو دیکھنے کو دل مچل اٹھا ہے۔'' وہ خوشی سے بہتی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے بولے اور باری باری سب سے ملنے لگے۔

''بھول مت جانا ہمیں چکر لگاتے رہنا ہم بوڑھوں کی محفل میں تمہاری کمی باقی رہے گی۔''

شفقت میاں نے بھی اپنی نم آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا تو ظہیر میاں اثبات میں سر کو جنبش دیتے آگے بڑھنے لگے اور پھر بیٹے کا مظبوط ہاتھ تھامے اولڈ ہاؤس کی دہلیز پار کرتے ہوئے کھلے آسمان تلے نکل آئے۔

اللہ نے ان کے آنسوؤں ان کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے انہیں ان کے بیٹے سے ملوا دیا تھا۔ضروری نہیں کہ غلطیاں یا گناہ صرف چھوٹوں سے ہی سرزد ہوں اکثر بڑے بھی صحیح غلط میں فرق نہ رکھتے ہوئے غلط راستے کا انتخاب کر بیٹھتے ہیں۔

''بھلے ہمارا ایک دوست اولڈ ہاؤس سے کم ہوگیا مگر مجھے خوشی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک بہترین جگہ جارہا ہے۔''

کمرے کی کھڑکی سے سڑک کے پار گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ظہیر اور اس کے بیٹے کو دیکھتے ہوئے نم آنکھوں سے شفقت میاں نے کہا۔وہ اس اولڈ ہاؤس کے تمام بزرگوں کے سربراہ مانے جاتے تھے وہ دن رات یہاں کے بزرگوں کا دل لگانے انہیں ہنسانے میں مصروف رہتے تھے۔

''کچھ باتیں تم سب سے کہنا چاہوں گا میں کیونکہ تم میں سے شاید کئی لوگ کسی نہ کسی گناہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

شفقت میاں نے بولنے سے پہلے تمہید باندھی تو سب نے منتظر نگاہیں ان پہ مرکوز کیں۔

''گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو یہ سوچ نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ ساری عمر انسان کا پیچھا کرتے ہوئے اسے سزاؤں کی پوٹلی میں بند کردیں گے ہاں اس صورت میں جب اس گناہ کی خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی طلب کی جائے تو وہ مزید سزاؤں کا سبب نہیں بنتے۔خدا کے ساتھ ساتھ ناانصافی کرنے والے اس کے بندے سے بھی معافی مانگ لی جائے تو دل پہ لدے بوجھ آسانی سے سرک جاتے ہیں۔ظہیر نے صرف تین سال ہی سزا انہیں کاٹی بلکہ جھوٹے اور بے حس لوگوں کا ساتھ دے کر بچی فریاد کو نظرانداز کرتے ہوئے ان لوگوں سے ملنے والے اذیت ناک صلے کو بھی چکھا......'' شفقت میاں کچھ دیر کو خاموش ہوئے اور پھر بولے۔

''اولڈ ہاؤس میں لگنے والیں بوڑھوں کی پررونق محفل بھی اس کے دل سے بیٹے کے ساتھ کیے ظلم کا قلق نہیں نکال سکیں یہ قلق اسی صورت نکلا جب خدا سے صدق دل سے بخشش طلب کی گئی اور اس نے ان پہ رحم فرماتے ہوئے ان کا بیٹا محبت بھرے سابقہ دل سمیت ہی واپس لوٹا دیا۔خدا کسی پہ ایسا وقت نہ لائے کہ بابرکت بزرگوں کی خدمت کرنے ان کی دعائیں سمیٹنے کی بجائے انہیں اولڈ ہاؤس کی نذر کرنا پڑے۔'' انہوں نے مغموم لہجے میں کہتے ہوئے آنکھوں کے بھیگے کونے انگلی کی پوروں میں جذب کیے تو سب نے ان کی دعا پہ صدق دل سے آمین کہا۔

سحرش خان

بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو
بس اب ایسا کرو تم سایہ دیوار ہو جاؤ
ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حال دل اپنا
مگر لکھنا تبھی جب لائقِ اظہار ہو جاؤ

ایک کنال کا خوب صورت محل نما گھر دیکھ کر ثنا نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا۔ ساتھ کھڑے رمیز نے ثنا کے چہرے پر اطمینان دیکھا تو پرسکون ہوگیا کہ آخر کار ثنا کی خواہش پوری ہو ہی گئی لیکن رمیز نے اسے پانے کے لیے کیا کھویا، یہ ثنا کو معلوم ہی نہ تھا۔

"لیکن میں نے یہ سب کیا کیسے؟ یہ میں کیسے ثنا کو بتاؤں گا اور اس نے کبھی پوچھا ہی نہیں کہ یہ سب آ کہاں سے گیا۔" رمیز سوچ ہی سکا ثنا کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر کچھ کہہ نہیں سکا۔

"چلو بھئی اب اندر بھی چلو۔ مجھے میری جنت اندر سے بھی دکھاؤ۔" ثنا کی آواز رمیز کو سوچوں کے گرداب سے نکال لائی اور دونوں میاں بیوی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اندر چلے دیئے تھے۔

☆......☆......☆

ثنا نے رمیز سے لو میرج کی تھی۔ اسے شوق تھا کہ اس کا گھر پیارا ہو اور بہت بڑا بھی۔ رمیز کی جاب تو اچھی تھی لیکن اتنی نہیں کہ وہ کوئی بڑا گھر بنا سکتا۔ دو بچے تھے جو اچھے اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ والدین کی طرف سے ملا ہوا تین مرلے کا گھر تھا۔ پہلے پہل تو ثنا نے اتنا سوچا نہیں لیکن جب بچوں کے دوستوں کے گھر آنا جانا شروع ہوا تو ثنا کے سوئے خواب جاگ اٹھے۔ اس نے اٹھتے بیٹھتے رمیز کے سامنے بڑے گھر کی خواہش کا اظہار کرنا شروع کردیا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا میں اچھا کما رہا ہوں لیکن بڑا گھر لینا میرے بس کی بات نہیں۔ جاب سے انسان اتنا امیر نہیں ہوتا بیگم تھوڑا انتظار کرلو جنت میں تو گھر ملے گا ہی دونوں میاں بیوی سکون سے رہیں گے۔" رمیز نے بات مذاق میں اڑادی لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ ثنا کی یہ خواہش پختہ ہورہی تھی جس کی وجہ اس کی نئی دوست کومل تھی۔ جس کے میاں بھی فرم میں جاب کرتے تھے لیکن ان کا گھر شان دار تھا۔ دو گاڑیاں گیراج میں کھڑی رہتیں تو کم عقل ثنا گھر آکر رمیز کو یہ بھی سناتی۔

"کومل کے میاں بھی تو جاب ہی کرتے ہیں ناں اور وہ لوگ اتنے ٹھاٹ سے رہتے ہیں، اس کے میاں کی تعلیم بھی تو آپ ہی کے برابر ہے تو پھر ہم وہ سب کیوں نہیں انجوائے کرسکتے؟" شروع شروع میں تو رمیز ٹالتا رہا لیکن جب ثنا اور رمیز کی تکرار بڑھنے لگی۔ ثنا میاں کی بات سمجھنے کو راضی نہیں ہوئی تو پھر آخر کار رمیز نے فیصلہ کرلیا جس فیصلے کو کرنے میں اسے مشکل ہورہی تھی۔ ثنا کے لالچ اور بے جا ضد نے اس

کام کو آسان کر دیا تھا۔ اس دن رمیز نے ثنا سے لڑنے کی بجائے اُسے تسلی دی اور کہا۔

"میں تمہارے سارے خواب پورے کروں گا لیکن مجھے جاب کو مزید وقت دینا ہوگا، کبھی کبھی تو رات بھر واپس نہیں آسکوں گا۔" ثنا نے کوئی اعتراض نہ کیا اور خوابوں کے محل کے بارے میں سوچنے لگی پھر رمیز نے اپنا کہا سچ کر دکھایا اور چند دنوں میں ہی ثنا کے خوابوں کا محل تیار ہو گیا تھا۔

"دیکھا میں کہتی تھی ناں کہ آپ کر سکتے ہیں اور مہینے ہی کہاں دن لگے اور آپ نے میری خواہش پوری کر دی۔" ثنا نے رمیز کے کندھے پر سر رکھ کر پیار سے کہا لیکن رمیز کا دھیان موبائل میں تھا۔ اتنے میں میسج کی بیل ہوئی اور رمیز بچوں سے ملتا ہوا ثنا کو اگنور کر کے نکل گیا۔ ثنا خوشی خوشی گھوم کر گھر دیکھتی رہی۔ بچے بھی خوش تھے۔

رمیز گیا تو شام کو واپس نہ آسکا، ثنا نے فون کیا تو کال کاٹ دی بعد میں پورے دو گھنٹے بعد فون آیا۔ بچوں کا حال احوال پوچھنے کے بعد ثنا نے گھر واپسی کا پوچھا تو بولا۔

"ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ فرم کی میٹنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا ہوں، بچوں کا خیال رکھنا تھوڑی دیر تک گارڈ اور مالی بھی پہنچ جائے گا، کل تک گھر کے کاموں کی ملازمہ بھی پہنچ جائے گی۔" ثنا پریشان تو ہوئی لیکن رمیز کی بات سن حیران رہ گئی۔

"مطلب ملازمین...... میرے گھر ملازم ہوں گے؟ واہ۔" وہ بڑبڑانے لگی۔ رمیز نے فون بند کر دیا۔ رات بھر ثنا کو خوشی سے نیند نہیں آئی۔

"خواب ایسے بھی پورے ہوتے ہیں۔ اتنی جلدی...... واہ ثنا تیری قسمت۔" وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ بچے بھی خوش تھے اپنے الگ کمرے اور کھلونے دیکھ کر۔ سب ان کے لیے نیا تھا پر اچھا تھا۔ ثنا نئے گھر میں تتلی بنی گھومتی رہی۔ رمیز دن میں ایک بار فون کرتا ثنا اور بچوں سے بات کر کے مصروفیت کا کہہ کر فون بند کر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ گزرنے کا پتا نہیں چلا اور رمیز کی واپسی کا دن

آ گیا۔ رمیز نے شام کو آنا تھا تو اس لیے ثنا نے بچوں کے ساتھ مل کر سرپرائز دینے کا سوچا اسی سلسلے میں کومل کا خیال آیا۔

"لیکن یہ گھر تو اس سے دور ہے، چلو پل بھی آؤں گی اور اس کے ساتھ مل کر مال سے شاپنگ بھی کرلوں گی۔ بڑا اسناتی تھی کہ میں اور بچے تو لوکل بازار جانے سے بہت گھبراتے ہیں۔ اب دیکھ لے گی کہ میں بھی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں جاؤں گی اور اپنی اور بچوں کی پسند کی شاپنگ بھی کروں گی۔" سوچوں کا تانا بانا بنتے بچوں کے ساتھ ثنا کومل کے گھر پہنچ گئی۔ گارڈ ثنا کو پہچانتا تھا اس لیے حیرانی کے ساتھ فوری گیٹ کھول دیا۔ کومل کے بچے لان میں ہی کھیل رہے تھے۔ بچے ان کو دیکھ کر بھاگ کر آئے۔ ثنا اپنا پرس سنبھالتی اندر لاؤنج میں داخل ہوئی تو سامنے کا منظر کچھ عجیب لگا۔ ساجد سر پکڑ کر بیٹھا تھا اور کومل اسے زیورات کے ڈبے لا کر دے رہی تھی۔ آخری ڈبا رکھتے ہوئے بولی۔

"زیور تو یہ ہی تھا اب کیا ہوگا؟"

"یہ گھر بیچنا پڑے گا ورنہ مجھے جیل ہو جائے گی اور اگر مجھے جیل ہوگئی تو تم لوگوں کا کیا ہوگا۔ ہم اپنے پرانے گھر شفٹ ہو جائیں گے اور میں کہیں اور چھوٹی موٹی نوکری کرکے گزارا کرلوں گا۔ وہ تو سر کی مہربانی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جتنی کرپشن کر چکے اب پیسے واپس کرکے ہماری جان چھوڑ دو ورنہ اگر وہ جیل بھجوا دیتے تو......"

"یہ سب میری غلطی ہے۔ مجھے شوق تھا بڑا گھر ہو، مہنگی گاڑی ہو۔ میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ اللہ کی تقسیم ہے اور مجھے اس پر راضی رہنا چاہیے۔ میری وجہ سے ہوا ہے یہ سب، تم پلیز مجھے معاف کردو۔" ہاتھ جوڑ کے کومل، ساجد کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ ثنا سے یہ منظر دیکھا نہ گیا خاموشی سے الٹے قدموں واپس آ گئی۔ اسے لگا اس کے قدم من بھر کے ہو گئے ہیں۔ گھر واپس آنے تک وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ بھی واپس اپنے گھر چلی جائے گی اور کبھی امیر ہونے کی خواہش نہیں کرے گی لیکن کبھی کبھی ہم واپس آنے میں دیر کر چکے ہوتے ہیں اور یہ ہی ثنا کے ساتھ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

"ہاں......ہاں میں ابھی پہنچا ہوں۔ میری بیوی تو بچوں کے ساتھ گھومنے گئی ہے۔ تم بتاؤ گھر پہنچ گئیں؟ بہت شکریہ تمہارا ہما! تم نے مجھ پر اتنا احسان کیا۔ میرے بیوی بچوں کو اتنا کچھ دے دیا۔" دوسری جانب سے نہ جانے کیا کہا گیا۔ رمیز کی آواز ابھری۔

"میں نے تم سے نکاح کرکے تم پر احسان نہیں کیا۔ ہم دونوں نے اپنی اپنی ضرورت کے تحت ایک دوسرے کا ساتھ چنا ہے۔ تمہیں ساتھی کی ضرورت تھی اور مجھے پیسے کی۔ نہیں......نہیں ثنا کو کون بتائے گا۔ وہ تو پیسے کی ریل پیل میں گم ہے۔" ثنا اب لاؤنج کے دروازے پر کھڑی اپنی بربادی کا ماتم کر رہی تھی۔ کومل کا نقصان تو پیسے سے پورا ہو جانا تھا لیکن جو گھاٹا اس کے نصیب میں آیا وہ کبھی پورا نہیں ہونا تھا۔ پیسے کے لیے اپنے ہاتھوں سے جنت برباد کردی۔ اسے اس مکان سے نفرت ہونے لگی۔ آواز حلق میں ہی پھنس گئی مشکل سے رمیز کا نام زبان سے نکلا۔

"تم کب آئیں؟" ثنا کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سب سن چکی ہے۔ رمیز آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے تھام کر اندر لایا۔

"تم کیا سمجھتی تھیں کہ شارٹ کٹ سے جو امیر ہوتے ہیں انہیں کوئی قیمت نہیں چکانی پڑتی۔ سب ہی کوئی نہ کوئی قربانی دیتے ہیں، کوئی اپنی ذات کی تو کوئی اپنے ایمان کی۔ میں نے تمہاری خوشیوں کی خاطر اپنے آپ کو بانٹ لیا۔ ہما ایک حقیقت بن کر ہماری زندگی میں آ چکی ہے۔ پہلے وہ میری باس تھی اب میں اس دفتر کا مالک ہوں۔ میرا اسٹیٹس بدل چکا ہے۔ تم بھی اپنا دل بڑا کرو اور اس بڑے گھر کو کھلے دل کے ساتھ انجوائے کرو۔" رمیز، ثنا کو پچھتاوؤں کی آگ میں جھونک کر خود باہر نکل گیا لیکن ثنا کے پاس اب کوئی راستہ نہیں تھا، وہ ایک کھائی میں چھلانگ لگا چکی تھی جہاں کوئی اس کی مدد کو نہیں آ سکتا تھا۔

biazdill@naeyufaq.com

میمونہ رومان

ماورا طلحہ...... سعودی عرب
ہمارے بس میں اگر اپنے فیصلے ہوتے
تو ہم کبھی کے گھروں کو پلٹ گئے ہوتے
یوں ساتھ رہ کے سلگنے سے کتنا بہتر تھا
کسی مقام پہ ہم تم بچھڑ گئے ہوتے

ریحانہ اعجاز...... کراچی
دل تو ہر اک پہ پھسل جائے
وہ دل ہی کیا جو سنبھل جائے

ریما نور رضوان...... کراچی
وہ محبت کی کچھ ایسی مثال رکھتا ہے
کہ مجھ سے زیادہ ہی میرا خیال رکھتا ہے

نزہت جبین ضیاء...... کراچی
عشق جب حد سے گزر کر روح میں تحلیل ہوتا ہے
جنوں کے سوز میں ڈھل کر اذیت رقص کرتی ہے

ایس زوش حسین...... بھکر
بہت کوشش میں کرتی ہوں اندھیرے ختم ہو جائیں
کہیں جگنو نہیں ملتا کہیں پر چاند آدھا ہے

ویر کیف...... فیصل آباد
گہرائی جھیل میں پڑا اک سیاہ پتھر
پھر ترے پاؤں کی اترن سے چاند بنا

ارم نصیر...... تلہ گنگ
میں شام کے منظر میں تحلیل شدہ
تم دور کسی گاؤں کی مغرب کی اذاں ہو

تمنا بلوچ...... ڈیرہ اسماعیل خان
جو تجھ سے خوف رکھوں میں تو دل یہ ڈر سا جاتا ہے یارب
تیری رحمت کا جو سوچوں تو سراپا سکوں ہو جاؤں

من تشاء درانی...... فیصل آباد
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

ارحا الزہرا...... فیصل آباد
حاصل زندگی حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ کیا نہیں، وہ ہوا نہیں، یہ ملا نہیں، وہ رہا نہیں

فرح ناز رفیق...... کراچی
محبت بھی بھرپور نفرت بھی انتہا کی
کچھ یہی ہیں ضابطے میری راہ گزار حیات کے

اساور شاہ...... مانچسٹر
دل میں انتظار کی لکیر چھوڑ جائیں گے
آنکھوں میں یادوں کی نمی چھوڑ جائیں گے
ڈھونڈتے پھرو گے اک دن ہمیں
زندگی میں اک دوست کی کمی چھوڑ جائیں گے

رابعہ اقبال...... مظفر گڑھ
اک ذود فراموش کی بے فیض محبت
جاؤں گی گزرتے ہوئے راوی میں بہا کے
اس وقت مجھے عمر رواں درد بہت ہے
تجھ سے میں نمٹتی ہوں ذرا دیر میں آ کے

صباء جاوید...... ہیڈ بکائنی
محبت کو عقیدہ، عاشقی کو دین کہتا تھا
کوئی تھا جو میری ہر بات پر آمین کہتا تھا
کبھی آنے نہیں دیتا تھا میری آنکھ میں آنسو
میرے اشکوں کو اپنے عشق کی توہین کہتا تھا

مہوش ملک...... جڑانوالہ
میری شاموں کو اندھیروں کے حوالے کر کے
اس نے صبحیں منائی ہیں بڑی شان کے ساتھ

آنیہ درانی...... کوئٹہ
ہم نے شاموں کی سیاہی پہ قناعت کر لی
جا تجھے دان کیے دھوپ میں وارے ہوئے دن

ڈاکٹر جانبہ عباسی...... مری
میرے افسانوں سے نکلا ہوا اک شخص

کسی اور کے ناول کی زینت ہے اب

سباس گل...... رحیم یار خان

لوٹ آنے کو اب کہوں گی نہیں
بن تمہارے بھی میں رہوں گی نہیں
درد بس سہہ لیا بہت میں نے
اور اب درد میں سہوں گی نہیں

سفینہ یعقوب مغل...... مصطفیٰ آباد للیانی

کل کل کرتے زندگی کی شام ہوئی
گزر گیا وقت اور زندگی تمام ہوئی

فرح بھٹو...... حیدر آباد

کوئی تو نقص میری تراش میں رہ گیا ہے
خریدار دیکھتے ہیں چھوڑ جاتے ہیں

فوزیہ عمران...... چکوال

خود بخود چھوڑ گئے تو چلو ٹھیک ہوا
اتنے احباب کہاں ہم سے سنبھالے جاتے
ہم بھی غالب کی طرح کوچہ جاناں سے محسن
نہ نکلتے تو کسی روز نکالے جاتے

ادا جعفری...... مقام نامعلوم

اِک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم غمِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

فرح فرحت...... لاہور

اظہار کے الفاظ تو کب کے ختم ہوئی
دل سے خواہشوں کی عادت نہیں گئی
شدت سے پوری ہونے کا ارمان بھی نہیں
دل سے ذرا ملال کے عادت نہیں گئی

اقرأ احمد...... راولپنڈی

پرکھنا مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

بہت دور سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

یہ عجب بے خودی ہے، عجب سی مستی ہے
تیری یادوں میں ڈوبی دل کی بستی ہے
میں تو کب کا مٹ چکا ہوں بہرام
فقط اس کا وجود ہی میری ہستی ہے

گل ناز...... بینظیر آباد

درد کی شام یا سکھ کا سویرا ہو
سب گوارا ہے مجھے ساتھ بس تیرا ہو

عائشہ صدیق...... ملتان

بات کھائی ہے یوں مقدر سے
نہ ملے پیار کے صلے جاناں
جس کی خاطر مٹا دیا خود کو
اس کو ہم سے رہے گلے جاناں

ارم زاھد...... لاہور

میں نے سوچ کے بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون جنگل میں لگے پیڑوں کو پانی دے گا

پروین افضل شاھین...... بہاولنگر

اداؤں کی بات کرتے ہو صاحب
دعاؤں سے بھی اب ہم نہیں ملیں گے

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

محبت تو عبادت جیسی ہوتی ہے ثمرہ
اسی بات سے تو ناواقف ہیں لوگ

انعم اکرام...... منڈی بہاؤالدین

غرور و ناز و نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے دست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے

info@naeyufaq.com

ڈش مقابلہ
طلعت آغاز

مکھنی سبزیاں

اجزا:

بھٹے	ایک سو بیس گرام
سفید لوبیا	ایک سو بیس گرام
ہری پھلیاں	ایک سو بیس گرام
مکھن	تین کھانے کے چمچے
نمک	حسب ضرورت
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
پارسلے (چوپ کرلیں)	حسب ضرورت

ترکیب:

ایک سوس پین میں پانی ڈال لیں اور اس میں بھٹے، لوبیا اور ہری پھلیاں ڈال کر ابال لیں۔ جب گل جائیں تو چھان کر خشک کرلیں۔ ایک سوس پین میں ہلکی آنچ پر مکھن پگھلائیں اور اس میں ابالی ہوئی سبزیاں ڈال کر ہلکی آنچ پر کچھ دیر کے لیے پکائیں، اس کے بعد اس میں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں۔ مزے دار مکھنی سبزیاں تیار ہیں۔ ایک سرونگ باؤل میں نکالیں اور پارسلے چھڑک کر سرو کریں۔

عائشہ سلیم...... کراچی

امرود کا شربت

اجزا:

پکے امرود	ایک کلو
پانی	چھ گلاس
چینی	ایک کلو
سٹرک ایسڈ	چھ چھوٹے چمچے
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	آدھا چھوٹا چمچہ
کھانے والا زرد رنگ	دو بوند

ترکیب:

امرودوں کو دھو کر باریک کاٹ لیں، پریشر ککر میں امرودوں کے کچے ٹکڑوں کو پانی میں اتنا پکائیں کہ ان کی خوشبو اور ذائقہ پانی میں اتر آئے، چھلنی کو ایک برتن پر رکھ کر رس کو چھان لیں، امرودوں کو دبائیں یا نچوڑیں نہیں، رس میں چینی کو حل کرلیں پھر ٹھنڈا ہونے دیں۔ چینی کی میل نکالنے کے لیے چینی والے رس کو چھانیں اسٹرک ایسڈ پانی میں گھلا پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ اور کھانے والا زرد رنگ ملائیں۔ اب اسے ڈھکن والی بوتل میں بھر کر صاف اور خشک جگہ پر رکھیں اور شربت کا مزا لیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

پپیتے کا شربت

اجزا:

پپیتے کا گودا	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
پانی	ایک لیٹر
زرد رنگ	چٹکی بھر
سٹرک ایسڈ	ایک گرام

ترکیب:

پپیتے کو چھیل لیں [illegible] بیج اور ریشے نکال دیں، اسے ٹکڑوں میں کاٹیں اور مکسر [illegible] باریک پتلا گودا نکالیں۔ تھوڑا سا پانی ڈال کر اچھی طرح ایک جان کر کے پکائیں، جب رس والا پانی آدھا رہ جائے تب چینی ڈالیں، چینی کے ساتھ دوبارہ اچھی طرح پکائیں، جب رس بن جائے تو اسٹرک ایسڈ ڈالیں اور ملائیں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد زرد رنگ ڈال دیں۔ اس تیار شربت کو خشک اور صاف بوتل میں ڈالیں اور ٹھنڈا کر کے شربت سے لطف اٹھائیں۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

سردائی شربت

اجزا:

بادام کی گری	ایک سو پچاس گرام
خشخاش	ایک سو پچاس گرام
سیاہ مرچ	پچیس گرام
چاروں مغز	ایک سو پچیس گرام
سبز الائچی	پانچ گرام
سونف	ایک چھوٹا چمچہ
گلاب ایسنس	دو چھوٹے چمچے
روح کیوڑہ	ایک چھوٹا چمچہ
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ
چینی	دو کلو
پانی	ایک لیٹر

ترکیب:

بادام بھگو کر چھلکے اتار لیں، خشخاش کو بھی صاف کر کے بھگو دیں، خشخاش، چاروں مغز بغیر چھلکے بادام، سیاہ مرچ، سبز الائچی اور سونف ڈال کر باریک پیس لیں۔ تھوڑے پانی میں گھول کر صاف کپڑے سے اسے بار بار چھانیں۔ چینی میں پانی ملا کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، ٹھنڈی چاشنی کو چھان کر اس مرکب میں ملائیں پھر گلاب کا ایسنس اور روح کیوڑہ ملائیں، اسٹرک ایسڈ ملائیں اور پورے شربت کو اچھی طرح سے ملا کر صاف بوتلوں میں محفوظ کر لیں اور حسب منشا ٹھنڈا کر کے مہمانوں کو پیش کریں۔

ارم صابرہ...... تلگ گنگ

بادام کا شربت

اجزا:

مغز بادام	ایک سو پچیس گرام
چار مغز	ایک سو پچیس گرام
روح کیوڑہ	ایک چھوٹی شیشی
چینی	ڈیڑھ کلو گرام
پانی	ڈیڑھ لیٹر

ترکیب:

بادام کی گریاں اور چار مغز الگ الگ برتنوں میں رات ہی کو بھگو دیں، صبح بادام کی گریاں چھیل کر چاروں مغز اور بادام باریک پیس لیں، ڈیڑھ لیٹر پانی میں چینی ملا کر چولہے پر چڑھا دیں اب اس میں پسا ہوا بادام اور چاروں مغز بھی ملا دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد بوتلوں میں ڈال کر پیش کریں۔

نمرہ شاہین...... کلر سیداں

دم پخت بریانی

اجزا:

گوشت	ایک کلو
چاول	آدھا کلو
دہی	آدھا کلو
ادرک	ایک ٹکڑا
سیاہ مرچ	چند دانے
زیرہ سفید	آدھی چمچی چائے کی
پیاز	ایک پاؤ
زعفران	ذرا سی
[illegible]	حسب ذائقہ
[illegible]	ایک پاؤ
[illegible]	آٹھ عدد
الائچی	ایک تولہ

ترکیب:

پیاز اور ادرک پیس لیں، پھر اس میں تھوڑی سی زعفران اور نمک گوشت کی بوٹیوں پر مل کر [illegible] گھنٹے تک پڑا رہنے دیں اب آدھا کلو دہی میں بقایا زعفران زیرہ اور الائچی پیس کر پھینٹ لیں اس مرکب کو بھی گوشت کے ٹکڑوں پر مل دیں اب دیگچی میں تھوڑا سا گھی گرم کر کے اس میں لونگ ڈالیں اب چاولوں کو دھو کر اس میں ڈال دیں ساتھ ہی اس میں دہی لگی بوٹیوں کو ڈال دیں اس کے بعد دیگچی کو ڈھانپ دیں اور اوپر وزن رکھ دیں تا کہ بھاپ باہر نہ نکلے آنچ دھیمی رکھیں جب دہی وغیرہ کا پانی خشک ہو جائے اور گھی کی آواز آنے لگے تو آگ مزید دھیمی کر دیں اور دم دیں۔ ساتھ ہی بقایا گھی ڈال دیں اور دوبارہ بند کر کے دم دیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اتار لیں۔ لذیذ دم پخت بریانی تیار ہے۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

ہنٹر بیف

اشیاء:۔

گوشت	دو کلو کا ٹکڑا
قلمی شورہ	ایک چائے کا کپ
نمک	چار چائے کے چمچے
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
کچی شکر (براؤن)	چار چائے کے چمچے
بڑی الائچی	ایک عدد

ترکیب:۔

گوشت دھو کر خشک کر لیں۔ اب گوشت پر لگانے کے لئے مسالا تیار کریں۔ نمک، کالی مرچ، کچی شکر اور بڑی الائچی کو قلمی شورہ کے ساتھ باریک پیس لیں۔ ایک لیموں پانی میں نچوڑ کر پیسٹ بنالیں۔ تمام مسالا جات گوشت پر ملیں اور اسے فریج میں رکھ دیں۔ تقریباً پانچ گھنٹے تک تاکہ مسالا گوشت میں اچھی طرح جذب ہوجائے۔ اب ایک پتیلی میں دو پیالی پانی ڈال کر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیں جب تک پانی خشک نہ ہو اسے دھیمی آنچ پر پکائیں اور اس دوران گوشت کو الٹتی پلٹتی رہیں۔ اگر گوشت پھر بھی کچا رہ جائے تو ایک پیالی پانی ڈال کر مزید پکائیں جب یہ گل جائے اور پانی خشک ہوجائے تو ایک پھیلی ہوئی ڈش میں نکال کر چھری گرم کرکے گوشت کے چوکور پارچے کاٹ لیں۔ اگر آپ انہیں خستہ اور سخت بنانا چاہتی ہیں تو تھوڑا سا تیل فرائی پین میں ڈال کر پارچے تل لیں۔ انار دانے کی چٹنی رائتے اور کیچپ کے ساتھ تناول کر سکتے ہیں۔

عظمیٰ خان...... کراچی

گاجر کی کھیر

اشیاء:۔

دودھ	ایک کلوگرام
گاجر	ڈیڑھ کلوگرام
چینی	حسب ذائقہ
چھوٹی الائچی (پسی ہوئی)	2 چمچے چائے کے
بادام	3 عدد
کشمش	3 عدد

ترکیب:۔

گاجروں کو چھیل کر کدوکش کرلیں۔ ایک برتن میں دودھ کو اُبال لیں اور اُبلے ہوئے دودھ میں کدوکش کی گئی گاجروں کو شامل کردیں۔ اسے درمیانی آنچ پر پکائیں جب گاجریں دودھ میں اچھی طرح حل ہوجائیں اور دودھ گاڑھا ہوجائے تو اس میں چینی اور پسی ہوئی الائچی ڈال دیں۔ کشمش اور کٹے ہوئے بادام کو سجا کر گاجر کی کھیر پیش کریں۔

(روبینہ زکریا روبی، چک کھاٹاں)

تکہ بوٹی

اشیاء:۔

گوشت بغیر ہڈی کا	ایک کلو
گرم مسالا پسا ہوا	دو چائے کے چمچ
لہسن	ایک پوتھی
دہی	150 گرام
ادرک	2 انچ کا ٹکڑا
گھی	150 گرام
نمک، مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔ سب پسے ہوئے مسالوں کو دہی میں ملا کر گوشت کے ٹکڑے اس میں شامل کریں اور کچھ گھنٹوں کے لئے رکھ دیں، پھر ان ٹکڑوں کو سیخوں پر چڑھا کر کوئلوں پر سرخ کرلیں، اوپر سے چمچے سے گھی ڈالتی جائیں۔ جب خوب سرخ ہوجائے تو اتار لیں اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

روبینہ زکریا روبی، چک کھاٹاں

biazdill@naeyufaq.com

ایمان وقار

آنکھیں

شائستہ، لُطفِ زِیبا، مدعُو و رَنگیں آنکھیں
مُحرم، سوالِل، بجیلا، مُوہنی و رَفیع آنکھیں
مُحرم و منُوہر، مُہذب و پُرفتن، عِلیا و چبلا
درباری، بآروقی، پُرکشش و غنی آنکھیں
شفاف، واضح، ستانی، ساطع، سلاکک
درخشاں، الاگبٹ، سہام و صریح آنکھیں
خُفیہ، تیز، زِیرک، آرکانی و مِیکا ولی
صادق، عمیق، کالی، خفی و زری آنکھیں
جزائر و غیظ و غضب، غصۂ حیرت و حَف
کاگی، تقلید، دارلانگ، قیمتی و ذکی آنکھیں
ساغر و جام و بادہ، پیالہ و صراحی و قدح
غارج، مروق، پیمانہ، تاس و صبیج آنکھیں
آب خوری و شیشہ، کاسہ و صراحیہ و کوزہ
ساتکیں، بلبلہ، خرجینہ، قرابہ و بطی آنکھیں
می و مینا و مَزن، بارش و باران و بارِ دیدَن
غیم، زہاب، بارندگی، عاصف و قوسی آنکھیں
عَصر، وقت، دور، گردش، عہد، محیط
مدت، ساعت، مِیقات و مُوعدی آنکھیں
شرط و قول، تناب و مُرور، سریر و جا
فرصت، مجال، اِثنا، حین و لحظی آنکھیں
قرہ و اَسود، تیرہ و اغبر، کم رنگ و کبُود
تاریک، سیاہ، بر زنگی و مُشکی آنکھیں
لشکر و ارتش، جند و جیش، خیل و عسکر
مندیل، گروہ، رمک، قافلہ و زُمری آنکھیں

ویریکیف.....فیصل آباد

یہ فرقت کی راتیں

تمہارے بعد یہ فرقت کی راتیں درد دیتی ہیں
تمہارے ساتھ جو گزریں وہ شامیں درد دیتی ہیں
قیامت خیز ہے جاناں تیری فرقت کا یہ موسم
کوئی بھی رت ہو لیکن تیری یادیں درد دیتی ہیں
تیری بانہوں کی آسائش میں لکھا تھا جن کو سب ہی
تمہارے بعد وہ غزلیں وہ نظمیں درد دیتی ہیں
بڑا مشکل ہے دل میں حسرتیں رکھتے ہوئے جاناں
جو تجھ سے کہہ نہ پائی اب وہ باتیں درد دیتی ہیں
کبھی جن سے مُیسر تھا عجب ہی اک سکون مجھ کو
عجب حالات ہیں کہ اب ان کی یادیں درد دیتی ہیں

نگہت غفار.....کراچی

چاھتوں کے خواب

کیا وفا کا بدلہ وفا سے لیتے ہیں لوگ
ہمیں تو محبت کی سزا دیتے ہیں لوگ
سجاتے ہیں دلوں میں چاہتوں کے خواب
پھر تعبیروں کو آگ لگا دیتے ہیں لوگ
لوگوں کو سمندر میں ڈوبا کر خود
ساحل پہ کھڑے ہو کر مسکرا دیتے ہیں لوگ

عبیرہ یاسمین کنول.....منڈی بہاؤالدین

شہر آشوب

اک پھول اسے روانہ کیا جائے
پھر دشمن اپنا زمانہ کیا جائے
شہر آشوب کی فضاء راس نہیں
شہر سے دور ٹھکانہ کیا جائے
رات گزرتی ہے سہانی یادوں میں
دن کو اب شبانہ کیا جائے
بانٹ کر اب خلوص کی دولت
رویوں کو میانہ کیا جائے
روئے مدت سے نہیں ہم انصر
آنسو بہنے کا بہانہ کیا جائے

نعیم انصر ہاشمی..... جھنگ صدر

اُداس دل

یونہی اداس ہے دل، بے قرار تھوڑی ہے
مجھے کسی کا انتظار تھوڑی ہے
نظر ملا کہ بھی ان سے گلا کرو کیسے
ان کے دل پہ میرا اختیار تھوڑی ہے
مجھے بھی نیند نہ آئے، اسے بھی چین نہ ہو
ہمارے بیچ بھلا اتنا پیار تھوڑی ہے
خزاں ہی ڈھونڈتی رہتی ہے در بدر مجھ کو
میری تلاش میں پاگل بہار تھوڑی ہے
نہ جانے کون یہاں اپنا بنا کر چھوڑ جائے
یہاں کسی کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے

انیتا وفا نیتو..... بھر کنڈ حب

سمندر آنکھ میں

وقت کی بے رحم موجوں کا سمندر آنکھ میں
غم زدہ سا رہ گیا ہے ایک منظر آنکھ میں
بے وفاؤں کی ہمیشہ یاد باقی رہ گئی
موجوں کا قافلہ ہے ایک محور آنکھ میں
آ گئی ہوں زندگی کی تلخیاں سمیٹ کر
رقص کرتی ہے کسی کی یاد اکثر یاد میں
لوٹ آنے کا ارادہ تھا کسی کا ایک شب
اب تلک ہے آس کا بھی ایک دسمبر یاد میں
شہر حیرت سے فری کھو گیا ہے ایک شخص
ایک مدت سے اداسی کا کھنڈر آنکھ میں

فریدہ جاوید فری..... لاہور

جسے ہم چاھتے تھے

جسے ہم چاہتے تھے وہ بھی
ہم ہی کو چاہتے تو کیا بات تھی
پانے کا ارمان تو تھا بن مانگے
مل جاتا تو کیا بات تھی
اس دل میں پیار کتنا تھا
وہ جان لیتے تو کیا بات تھی
ہم نے رو رو کے مانگا تھا اسے خدا سے
وہ بھی مانگ لیتے تو کیا بات تھی

ایس شہزادی کھرل..... جڑانوالہ

سنو

وہ زندگی کو شام لکھتا ہے
ہر درد کو عام لکھتا ہے
ہجر کو قید لکھتا ہے
وصل کو عید لکھتا ہے
وہ نئی نوید لکھتا ہے
غموں کو دور کرتا ہے
خوشیوں کو ساتھ باندھتا ہے
اور نئی امیدوں کو روشن کرتا ہے
سوگ و غم کو غروب لکھتا ہے
وہ عشق کرتا ہے
پھر اسی عشق کو فریب لکھتا ہے
پہلے چوٹ کھاتا ہے
پھر اس چوٹ سے لطف اٹھاتا ہے
پھر اس لطف کو شاد لکھتا ہے
اور خود کو آباد لکھتا ہے
دلوں کی آگ میں جل کر
کندن ہوتا ہے
اور پھر راکھ لکھتا ہے
خوشیوں کو بھول کر
غموں کو یاد لکھتا ہے
پھر نئی کتاب لکھتا ہے
زندگی کو شام لکھتا ہے

ام ہانی شاہد..... ڈگری

گواہ

کوئی شکوہ
نہیں مجھے
بے وفائی
ملی ہے

تم سے
اے جاناں
میرا خدا
گواہ ہے
ثمرہ کے
دل میں
تیرے سوا
کوئی نہیں
تھا

ثمراہ گلزار...... کوٹلی گجرات

یک طرفہ محبت

یک طرفہ محبت کو دل میں چھپائے بیٹھی ہوں
خود کو بھی احساس تک ہونے نہیں دیتی
تمہاری ہمراہی کے خواب دیکھنے کو آنکھیں مچلتی ہیں
مگر میں آنکھوں سے یہ گناہ ہونے نہیں دیتی
میں اپنی اس محبت کو کسی پہ ظاہر بھی ہونے نہیں دیتی
نہ جانے کیوں میری آنکھیں تیرا دیدار کرنے کے
بہانے ڈھونڈتی ہیں
مگر جب تم سامنے آتے ہو تو دل کی گھبراہٹ
آنکھوں کی یہ تمنا پوری ہونے نہیں دیتی
میں جانتی ہوں تمہیں میری محبت کا علم ہے جاناں
پھر کیوں مجھ سے دامن بچاتے ہو؟ یوں پہلو تہی کرتے
ہو
میری محبت کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے
تمہاری یہ بے رخی مجھے چین سے سونے نہیں دیتی
یا تو مجھے پوری طرح تسلیم کرلو، اقرار، اظہار کی تسلی تھمادو
یا پھر بری طرح نفی کردو، دھتکار دو مجھے جاناں
ورنہ دل میرا اس کشمکش میں ڈوب کر
جلد ہی بند ہو جائے گا
پھر آوازیں دے کر بلانے کا کیا فائدہ ہوگا
آخر میں تو پھر تمہارے پاس فقط
پچھتاوا ہوگا

مصباح عرف مشی...... خانپور

ماں

زمانے کی تند و تیز ہواؤں میں
جو آنچل میں چھپاتی ہے، صرف ماں ہے
ہر پل میرے جیون کی خاطر
جو جان لٹاتی ہے، صرف ماں ہے
کانٹا بھی چبھے گر پاؤں میں میرے
جو تڑپ جاتی ہے، صرف ماں ہے
میرے دل کی بات بن کہے
جو جان جاتی ہے، صرف ماں ہے
ہر ہر گزرتی سانس کے ساتھ
جو دعائیں دیتی ہے، صرف ماں ہے
لے چلے جو قضاء صبا
جو غم مناتی ہے، صرف ماں ہے

صبا اسحاق مغل...... مقام نامعلوم

بددعا

کہا تھا کسی نے
محبت ہو جائے تمہیں
خدا کرے
تم تڑپو، تم مچلو
محبت میں
رسائی نہ ملے
اس جہاں میں
خدا کی خدائی نہ ملے
پھر وہی ہوا
نہ محبت ملی
نہ محبوب ملا
نارسائی ملی
مقدر میرا
جدائی کی
آگ میں
جھلس کر

راکھ ہوئے
دل نے خوشی
سے کیا انکار
نیندیں آنکھوں
سے روٹھ گئیں
لب مسکرانا
بھول گئے
یاروں کی
تسبیح لیے
تیرے نام کا
ورد
کرتے رہے
شب و روز
کہ محبت بھی
ملی کسی بددعا
کی طرح
یہ وجود ہوا
زخمی
تیری یادوں
کے نشتر سے
پھر
کھودیا
اپنا اعتبار
جو ٹوٹ کر
پھر نہ جڑا
یہی تھی بددعا
مبارک ہو اسے
جس کی قبول ہوئی
دعا

ایس مزمل ماہی کھرل.....فیصل آباد

تماشۂ دل

تماشۂ دل بھی خوب رہا
کچھ دن ہم بھی لٹتے بڑے چاؤں سے
میں نے اکثر اُسے بھی جلتے دیکھا ہے
جس نے سودے کیے تھے دھوپ کہ چھاؤں سے
اب کس پہ کریں اعتبار کس کو کہیں پارسا
یہاں دامن سب ہی کے بھرے ہیں گناہوں سے
کچھ سامنے آ گئے کچھ اوجھل
اب بھی ہیں نگاہوں سے
کرتے ہیں دعویٰ یہ اب سیاہ کار
کہ ہم خود نہیں بھٹکتے
وہ بھٹکا دیتے ہیں اداؤں سے
سرِ راہ جلا کر رکھ دیا چراغ
ناداں پھر شکوہ کیسا ہواؤں سے
یہاں جو بچ بھی گیا عرش
وہ بچ نہ پائیں گا حشر کی سزاؤں سے
خود ہی مجرم، خود ہی مصنف بنیں بیٹھیں ہیں
اللہ بچائے عرش زمین کے خداؤں سے
بہت چلی میں منزل کی چاہ میں
پھر بھی اے عشق میں انجان ہی رہی تیری راہوں سے

اقراٗ عرش.....ملتان

آ ٹھہرتا

ایک تسلط آ ٹھہرتا ہے
خیالوں کی حسیں دنیا
محبت سے معطر ہو
تو دل پُر کیف رہتا ہے
سب ہی الجھے حواسوں پر
خوشی کا دلنشین سا
ایک تسلط آ ٹھہرتا ہے
لب و لہجہ سنورتا ہے
خیالوں کی حسیں دنیا
محبت سے معطر ہو
تو ایک دیوانگی
چھا سی جاتی ہے گمانوں پر

تجلی عود آتا ہے
بے رونق نظاروں پر
ہر اک شے، بے وجہ ہی
حسن سے معمور لگتی ہے
یا یوں کہہ لو
کہ مثل حور لگتی ہے
گر خیالوں کی حسیں دنیا
محبت سے معطر ہو

سحرا اویس...... شجاع آباد

حسرت

میری
حسرت ہی رہی
کہ
وہ کوئی جگنو کوئی ستارہ
کوئی دیپک کوئی تارہ
میرے نام تو کرتا
میرے دل کی بنجر زمین پر
کوئی پھول تو کھلتا
میرے اندر کی تنہائی میں
کوئی دنیا آباد تو کرتا
کہ چپکے سے کہہ دیتا
کہ نہ جاؤ تم
تم بن رہ نہیں سکتے ہم
جھوٹا ہی سہی پر اقرار تو کرتا
کوئی جگنو کوئی تارہ کوئی دیپ
میرے نام تو کرتا
میری ساری عمر فقط اسی نام پہ گزرتی
فقط اپنا نام
کاش وہ میرے نام کرتا اپنا نام

بجیرا نیلم...... گجرات

مجھے زخم جدائی نہ دیا کر

ہر بار مجھے زخم جدائی نہ دیا کر
اگر تو میرا نہیں تو مجھے دکھائی نہ دیا کر
سچ جھوٹ تیری آنکھوں سے ہو جاتا ہے ظاہر
قسمیں نہ اٹھا اتنی صفائی نہ دیا کر
معلوم ہے تو مجھ سے رہتا ہے گریزاں
پاس آ کر محبت کی دہائی نہ دیا کر
توفیق نہیں اگر تجھ کو وعدہ نبھانے کی
اوروں کو درس بھلائی نہ دیا کر
لوٹ کے کب آتے ہیں جو اڑ جائے علیشہ
ہر بار پرندوں کو رہائی نہ دیا کر

الیاس شاکر...... ایبٹ آباد

محبت ہار جاتی ہے

زمانے سے سنا تھا کہ محبت ہار جاتی ہے
جو چاہت یک طرفہ ہو وہ چاہت ہار جاتی ہے
کہیں پر دعا کا ایک لفظ بھی بے اثر نہیں ہوتا ہے
کہیں پھر بھروسے کی عبادت ہار جاتی ہے
محبت کب کسی تو دشمنی کا درس دیتی ہے
محبت کی بازی میں عداوت ہار جاتی ہے
ہمیں کتنے بھی شکوے ہوں اس کی جفاؤں کے
پر اس کے سامنے ہر بار شکایت ہار جاتی ہے
ایک آرزو ہے کہ اس کو بھول جائیں ہم
پھر اس کی یاد آتے ہی خواہش ہار جاتی ہے

ارمین ملک...... چمن

زندگی تھم گئی پل کو

کل اک تصویر دیکھی تو
زندگی تھم گئی پل کو
کوئی پرنور چہرہ تھا
کھلا گلاب چہرہ تھا
مسکراتی ہوئی آنکھوں میں
اک احساس ٹھہرا تھا
ان مسکراتی ہوئی آنکھوں میں
اک اصرار گہرا تھا
خواہش کے آسمان پر

کوئی مہتاب چمکا ہو
جیسے ترسی نگاہوں نے
پھر کوئی خواب دیکھا ہو
جیسے پھر کسی کو دیکھ کر
محبت مسکرائی ہو
کہ جیسے پھر کسی دل کو
محبت راس آئی ہو
ان مسکراتی ہوئی آنکھوں میں
ہر احساس روشن تھا
یوں لگتا تھا ان آنکھوں میں
کسی کا عکس روشن تھا
اور بعد مدت ایسی آنکھوں کو
آئینے میں دیکھا تو
بڑی حیرت ہوئی مجھ کو
بہت بے نور ہیں آنکھیں
غموں سے چور ہیں آنکھیں
کسی بھٹکے مسافر سی
بہت انجور ہیں آنکھیں
ہوئی مدت ان ستاروں کو
چمکتے نہیں دیکھا
میں نے خاموش آنکھوں کو
مسکراتے نہیں دیکھا
یوں لگتا ہے اب ان آنکھوں میں کوئی لمحہ
کبھی روشن نہیں ہوگا
انجم ان آنکھوں میں کسی کا عکس
کبھی کروٹ نہیں لے گا
ایک تصویر دیکھ تو
زندگی تھم گئی پل کو

طوبہ زہرہ..... جہانگیر آباد ملتان

وہ جو خواب تھا بکھر گیا

وہ جو شہر دل تھا اجڑ گیا
وہ جو خواب تھا بکھر گیا
کبھی موسم کی نظر لگی
کبھی منزلوں کے سراب نے
ہمیں راستوں میں دی دغا
کبھی زندگی کی کتاب سے
ہمیں جس نے چاہا مٹا دیا
بس اس لیے
وہ جا رہا تھا اسے دیکھتے رہے
نہیں دی صدا
اسے روکتے بھی تو کس لیے

روشنی رحمانی..... سمندری

چاند اترا ہے

کس نے دیکھا ہے دل کی قبروں پر
نام لکھا ہے اب کتابوں پر
جھیل جیسی ہیں اس کی آنکھیں بھی
چاند اترا ہے جیسے جھیلوں پر
لوگ سارے اداس لگتے ہیں
اک اداسی ہے سب کے چہروں پر
سوکھنے والی ہے یاد شاخوں کی
دھوپ اتری ہے سبز پیڑوں پر
موت جھٹکا ہے سہہ نہیں سکتے
کیا بھروسہ ہے اپنی سانسوں پر
ہم نے تمثیلہ لطیف لکھی ہے
اک ادھوری سی نظم آنکھوں پر

شاہین خان..... فیصل آباد

dkp@naeyufaq.com

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

اپنے عزیز اقارب کے نام

السلام علیکم! خورشید ماموں آپ کو انگلینڈ سے پاکستان آمد پر خوش آمدید۔ محسن بھائی آپ کو شادی کی بہت مبارک۔ ندا نوید میری دعا ہے کہ تم اپنے شوہر محسن کے ساتھ زندگی کی بہت ساری بہاریں دیکھو اور ہمیشہ خوش وخرم رہو۔ الیاس چچا آپ چچی جان کے ساتھ خورشید ماموں کے بیٹے محسن کی شادی میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر کراچی سے آئے بہت اچھا لگا۔ سعد بھائی میری دعا میں ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ آپ میرا بہت خیال رکھتے ہیں اس کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔ نبیلہ مامی آپ کیسی ہیں آپ کو میرا بہت بہت سلام اور آخر میں، میں اپنے شوہر وقاص اور سہیل ماموں کی بہت شکر گزار ہوں کہ جن کی وجہ سے میں خورشید ماموں کے بیٹے محسن اور ندا کی شادی میں شریک ہوئی ورنہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اس قابل کہاں ہوں کہ اپنے قدموں پر چل کر کہیں آجا سکوں۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

آنچل کی دوستوں کے نام

السلام علیکم! ربیعہ ملکانی تمہیں شادی مبارک ہو، نجمہ آپی کو میرا اسلام کہنا۔ آپ آنچل میں آتی جاتی رہا کریں۔ شکریہ اتنی محبت دینے کے لیے۔ شہرین اسلم آپ کیسی ہو، لو جی آپ نے کہا تھا ناں کہ لکھنا نا چھوڑنا اس لیے میں آ گئی، آپ نے ٹھیک ہی کہا جب قدر نا ہو تو کیا فائدہ ایسی دوستی کی، ویسے بھی آج کل دوستی کوں نبھاتا ہے جیسے جیسے نئی دوست مل جاتی ہیں پرانی بھول جاتی ہیں (اداسی) اب یہاں پر ایموجی بھی نہیں ہے اداسی والا اسی لیے اداسی لکھ دیا۔ اچھا لگا مجھے آپ نے یاد رکھا۔ شکریہ ڈیئر! ویسے میں تو آپ کو اپنے ہر لیٹر میں یاد رکھتی ہوں۔ بنت حوا ڈیئر جانی آپ کہاں مصروف ہو آنچل میں آتی ہی نہیں ہو جہاں کہیں بھی جلدی سے واپس آجاؤ۔ رمشاء، ارم آصف آپ بھی اب کم کیوں شرکت کرتی ہیں۔ عائشہ شکیل میری پیاری عائشو کا شو آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ گلشن چودھری، ڈیئر گل آپ بھی آنچل میں نہیں آتی ہو، میری پیاری صبا جاوید آپ سے رابطہ کر کے بہت اچھا لگتا ہے آپ بہت اچھی ہو ساتھ میں کھڑوس بھی ہاہاہا۔ بیہ وڑائچ کیسی ہو، ڈیئر صائمہ مشتاق آپ ہمارے گجرات آئی آپ نے ہمارے گھر آنا تھا ناں۔ فاطمہ عشرت اللہ پاک آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ معافیہ تھینک یو ڈیئر میری شاعری پسند کرنے کا۔ زہرہ فاطمہ آپ کیسی ہو، رشکِ چاند آئی مس یو، میری ڈیئر آنی نجم انجم آپ کیسی ہیں کہاں مصروف ہوئی ہیں۔ مدیحہ کیسی ہو ویسے تم نے ٹھیک ہی کہا آج کل غرور ہی غرور ہے۔ شانزہ شانو آپ کہاں ہوتی ہیں۔ اقراٗ جی مبارک ہو بیوٹیشن کا کورس کمپلیٹ کرلیا چلو اب جلدی سے مجھے دلہن بناؤ ہاہاہا۔ فہمیدہ آنی کیسی ہیں آپ، رضوانہ وقاص، پروین افضل، حرا، ایمن غفور (ایک وقت تھا حرا جب آپ کا نام سب سے پہلے مجھے یاد آتا تھا پر اب چلو چھوڑو خوش رہو دونوں اپنی ایم این دوست کے ساتھ) ارم کمال آنی، زہرہ فاطمہ، ماہ رخ آپی اوزے خان، سونیا اداس سب خوش رہیں اور خوشیاں بنائیں سب اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

ناہید کمال...... کراچی

اسکول فرینڈز کے نام

ہیلو دوستوں! نجمہ، یاسمین، مہوش، صباء، کشور، کوثر اور سلمی کہاں غائب ہیں آپ سب آج کل؟ یقیناً زور وشور سے پڑھائی ہو رہی ہوگی۔ کیوں کچھ غلط کہا؟ آپ سب کو میٹرک میں بہت اچھے نمبر لینے پر مبارک ہو، آنچل کے ذریعے اگر اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔

ناہید اختر...... لاہور

سویٹ فرینڈ انعم محسن کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں ٹھیک ٹھاک ہوگی، میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو تم قرآن پاک مکمل حفظ کر چکی ہو، بہت خوشی ہوئی مجھے۔ قرآن پاک کا حفظ قسمت والوں کے نصیب میں ہوتا ہے، میری دعا ہے اللہ تمہیں قرآن مجید کو تاقیامت یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین اور آنچل پڑھنے والی تمام بہنوں کو پیار بھرا اسلام اور نازیہ کنول نازی کو بھی سلام۔ اللہ حافظ اینڈ ٹیک کیئر۔

کشور ناہید...... ملتان

آنچل کے پیاروں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں پیارے دوست؟ یقیناً میرا آخری پیغام جون ۲۰۲۰ میں تھا۔ جی جناب جنوری ۲۰۲۱ کو شادی ہوگئی تھی اور اب تو ماشاء اللہ ایک خوب صورت سا بیٹا محمد شجاعت فاروق ہے جس نے آ کے ہماری زندگی مکمل کردی۔ بس یار شادی کچھ جلدی ہوگئی تھی لیکن الحمدللہ بہت خوش ہوں میں اپنے شوہر کے ساتھ، جی اب آپ سنائیں۔ میری جان سے پیاری نورے ایمان کیسی ہو؟ چار پانچ دفعہ گئی ہوں پیر محل اور میری جانی ایمن بہت یاد آتی ہو ایمن غفور، حرا کیسی ہیں۔ تبسم بشیر، ماہا کیسی ہیں آپ، فائزہ بھٹی ڈیئر، اقرا جٹ، گلشن چودھری، صائمہ مشتاق، سرگودھا والیوں، ثمرہ گلزار، طیبہ خاور خانی، میری پرنس پروین افضل بیٹا کیسا ہے۔ فریدہ فری، نجم انجم، مدیحہ نورین، مہ رخ چودھری، انعم خضر، وقاص بھائی، سحر سحری، مہر کیسی ہیں، خوشی، ارم کمال سب کو سلام! میری پیاری جاذبہ عباسی بہت دل کررہا ہے آپ کے لیے! پیاری شازیہ آپی کہاں ہیں آپ، انعم زہرہ جانی، رقیہ پیاری آجاؤ، فائزہ شاہ، عائش کشمالے۔ بہت بار لکھا آپ کو لیکن شاید آپ ڈائجسٹ پڑھتی نہیں ہیں۔ رابعہ آصف کیسی ہو؟ سب کو میرا پیار بھرا اسلام! لیٹر بڑا ہو رہا ہے سو اجازت دیں زندگی رہی تو ملتے رہیں گے اللہ حافظ۔

رابعہ احمد بھٹی...... کوٹشا کر جھنگ

ماہی کے چاند کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو میری جانی؟ رئیلی سوری یار اس بار پھر لیٹ ہوں میں۔ اللہ رب العزت آپ کی عمر دراز کرے اور اللہ کرے آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔ زندگی کے ہر موڑ پر ڈھیر ساری خوشیاں نصیب ہوں۔ تمہارا ہر خواب پورا ہوا آمین۔ تم جانتی ہو تمہارے بغیر جینا مرنے جیسا ہے۔ تم میری چھوٹی سی دنیا ہو۔ تم سے دور رہنا مجھے پل پل مار رہا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے گھر والوں سے بات کروں مگر پھر تمہاری عزت کا خیال آجاتا ہے تو خاموش رہنا پڑتا ہے۔ اللہ کرے یہ جدائی کے دن بہت جلد ختم ہو جائیں اور ہاں لاسٹ ٹائم جب تم کو میں نے لیٹر لکھا تھا تب ایک بہن رشک چاند صاحب کو لگا کے میں نے ان کے نام لکھا ہے اس بہن کو میرا اسلام کیونکہ پچھلی بار ان کا دل ٹوٹ گیا تھا پیاری بہن رشک چاند جی آپ کو بہت سارا پیار اور چاہتوں بھرا اسلام اور اب آپ پیاری سی بہن بن کر اس بہن کو برتھ ڈے وش کریں جس کے نام میں نے لکھا ہے۔ ایک بار پھر میرا چن تمہیں جنم دن بہت مبارک ہو۔

ایس مزمل ماہی کھرل......ملکوآنہ

پیاری دوستوں کے نام

میری پیاری نند فریدہ جاوید فری! آپ مری میں خوب انجوائے کررہی ہیں، ہماری دعا ہے اللہ پاک آپ کو مکمل صحت وتندرستی عطا فرمائے آمین۔ بہت سی بہنوں نے پہلی پہلی انٹری دی ہے جن میں ماہی فہم، مالا خان، کوثر علوی، فرزانہ امین، فاطمہ کنیز، فوزیہ عمران، عینی بخاری، صبا ارشد، طاہرہ غزل، رخسانہ، سعیدہ، فاخرہ، رضیہ، پلوشہ گل شامل ہیں۔ ہم آپ تمام نئی دوستوں کو آنچل کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ امید ہے اب یہ رشتہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔ میرا آنچل سے رشتہ ربع صدی سے زیادہ کا ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دل کے مکینوں کے نام

السلام علیکم! قارئین، مدیرہ، مدیرہ اعلیٰ، باجی مدیرہ، مدیرہ معاون اور رائٹرز اللہ آپ پر رحمتوں کی بارش کردے آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ میری عمر سترہ سال ہے۔ انگیجڈ ہوں۔ زارہ، فاطمہ کی سسٹر آپ کے پیپرز امید ہے اچھے ہوئے ہوں گے۔ شاہینہ خان ول یو فرینڈ شپ ویدمی۔ آل دا فرینڈ لب یو ڈھیر سارا۔ فاطمہ، زارا، شاہینہ خان اور فرینڈ کے نام کہ

میرے بعد جب ہوگئی میرے لفظوں سے آشنائی
گونجیں گے میرے لفظ یوں کہ گونج اٹھے گی شہنائی
مہکتے سارے لفظوں کو یوں نام تمہارے کردیا
جن سے میرے بعد بھی تمہاری مہک اٹھے گی تنہائی

عبیرہ یاسمین کنول...... منڈی بہاؤالدین

آنچل و حجاب کے قارئین کے نام

آنچل وحجاب سے منسلک تمام ریڈرز کو آپ کی نجمہ باجی کا سلام۔ کیسے ہیں آپ سب؟ میں پہلی بار آنچل کے اس معروف سلسلے میں آئیں ہوں۔ پچھلے ماہ ''ہمارا آنچل'' میں آئی تھی کیسا لگا مجھ سے ملنا۔ میں کافی عرصے سے تمام ڈائجسٹس سے وابستہ ہوں۔ آنچل ڈائجسٹ کی جہاں تحریریں دلچسپ ہوتی ہیں وہیں اس کے سلسلے اپنی مثال آپ ہیں اور یہ سلسلہ تو مجھے بہت پسند ہے جس سے ہم بناء دیکھے بہنیں ایک دوسرے کو یاد رکھتی ہیں اور خوشی وغم میں سب کی سانجھی ہیں۔ ہاں تو میں کسی ایک یا چند نہیں تمام آنچل وحجاب پڑھنے والیوں کو کہہ رہی ہوں وہ خاموش قاری ہوں یا تبصرہ نگار تو آپ سب مجھے بھی آنچل کے پرستان میں شامل کریں کہ ہم سب اس رسالے کی شہزادیاں ہی تو ہیں۔ میرے بارے میں ہمارا آنچل میں تو جان ہی لیا ہوگا۔ تین بچے ہیں، بہاولپور سے تعلق ہے اور اپنا یوٹیوب چینل بھی ہے جس پر رائٹرز کی دلچسپ واصلاحی تحریریں بلائنڈ خواتین کے لیے پڑھتی ہوں۔ بھائی طاہر اور باجی سعیدہ کی ان تھک محنت ہے جو یہ رسالہ ابھی تک ہر کوئی شوق سے پڑھتا ہے۔ اچھا چلتی ہوں پھر آنے کے لیے تو آپ سب سدا سلامت رہیں اور ہر غم سے دور کم اس لیے بولی کہ ڈالر منحوس مارے کی وجہ سے ڈائجسٹ کے صفحات کم ہوگئے تو آگ لگے اس کمبخت کو۔ والسلام۔

نجمہ جبار...... بہاولپور

دوستوں کے نام

السلام علیکم! تمام ریڈرز، رائٹر اسٹاف اینڈ آنچل کی پریو۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ آنچل میں نئے آنے والوں کو دل سے خوش آمدید اور پرانے قارئین جو غائب ہیں ان سے گزارش ہے کہ آنچل میں واپس انٹری دیں۔ کافی پرانے نام

ہیں جو آنچل کی رونق ہوا کرتے تھے لیکن اب کہیں نظر نہیں آرہے۔ شانزہ شانو، ماہا بشیر، تبسم بشیر، حرا گل، فائزہ بھٹی، زارا تعبیر، نور چوہدری، انیتا وفا، مسکان نور، ماہ رخ سیال، اوزے خان روکھڑی، سونیا اداس، رشک چاند، گلشن گل، عائشہ شکیل، جاذبہ عباسی، بھائی اللہ رکھا، بھائی ظہیر ملک، ثناء فرخان، فہمیدہ آنی، نورین انجم، زرناب خان، نجم انجم، بھائی وقاص عمر، بھائی عبداللہ عثمان، ایمن غفور (آپ تو پیا گھر جا کے بالکل ہی بھول گئی ہو) آپ سب سے گزارش ہے کہ آنچل کی نگری میں واپس آکے رونقیں بحال کریں۔ عروشمہ خان، شاہ بہرام بھائی (آپ کا تبصرہ ٹاپ آف دی لسٹ ہوتا ہے سچ میں) انشراح ایمان، مدیحہ نورین مہک، شہرین اسلم، آنی ارم کمال، بیہ وڑائچ، رمشا آصف، صائمہ مشتاق، ارم آصف، پروین افضل، رضوانہ وقاص، ثمرہ وقاص (لوگوں کی باتیں دل پہ نہیں لیتے بس اگنور کردیا کرو) فائقہ صابر آپ سب لوگ کیسے ہو؟ اپنی طرف سے سب کے نام لکھیں ہیں پھر بھی کسی کا رہ گیا ہو تو سوری اور میری یو ایس فیملی کے لیے بہت سی دعائیں یو ایس والو مس یو بہت زیادہ۔ انشراح ایمان مس یو اتنا زیادہ اور میں ایک دفعہ پھر خالہ بن گئی ہوں میرے دو بھانجے یعنی کہ ماہی کو اللہ پاک نے ماشاء اللہ دو بھائی دیے ہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھنا سب ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔ اللہ پاک سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین، ثم آمین۔ اللہ حافظ۔

شہزادی وردہ...... مسم، گجرات

میری یو ایس فیملی کے نام

السلام علیکم! ایوری ون امید ہے سب خیریت سے ہوں گے اور یو ایس میں خوب رونقیں لگا رہے ہوں گے۔ پتہ نہیں میں کسی کو یاد بھی ہوں کے نہیں اس لیے سوچا کیوں نہ ایک دفعہ خود سب کو اپنی یاد دلائی جائے۔ آپ لوگوں کی یاد نے اتنا مجبور کیا کہ مجھے خط لکھنا پڑا ورنہ کافی عرصے سے یہ کام میں چھوڑ چکی ہوں۔ ایاز سر، شایان چوہدری، مرخابٹ، شیزا، ہیر، ثناء خان، شہزادی، حنا آپی، نایاب، مسکان، ایمان (مانو بلی) فیصل، اویس، مون، حسیب سر، عارش (میراثی، ادھر ایموجی نہیں ہیں ورنہ وہ بھی لگاتی ساتھ) میاں جی، زیان، اینجل، مرتضٰی، رجا (میری سب سے بڑی دشمن) نادان، دامی سر، سارہ، ایم ایس سر، سیدہ حیا، محترم سر، محترمہ سسٹر، فریحہ سسٹر (خوشی) پلوشہ، دلکش، اسد بھائی اب اگر کسی کا نام رہ گیا ہو تو اس کے لیے معذرت اپنی طرف سے تو میں نے سب کو یاد رکھا ہوا ہے۔ میرے مائنڈ میں کچھ نہیں آرہا نہ ہی سمجھ آرہی کہ لکھوں کیا بس مجھے اتنا پتا ہے کہ میں مس کر رہی ہوں آپ لوگوں کو بہت زیادہ۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا سب۔ اللہ حافظ۔

جب یاد کا آنگن کھولوں تو کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
میں گزرے دنوں کو سوچوں تو کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
اب جانے کس نگری میں سوئے پڑے ہیں مدت سے
میں رات گئے تک جاگوں تو کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
کچھ باتیں تھی پھولوں جیسی کچھ خوشبو جیسے لہجے تھے
میں شہرِ چمن میں ٹہلوں تو کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
وہ پل بھر کی ناراضگیاں اور مان بھی جانا پل بھر میں
میں خود سے جب بھی روٹھوں تو کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں

ماریہ چوہدری...... گجرات

yaadgar@naeyufaq.com

یادگار لمحے

جویریہ سالک

جی ہاں میں کامیابی

امریکا کے ایک چھوٹے علاقے میں ایک باپ اور بیٹا رہتا تھا۔ وہ بچہ بہت ذہین تھا ایک دن باپ نے اسے ایک میلی شرٹ دی اور کہا اسے ایک ڈالر میں بیچ آؤ، بچے نے وہ شرٹ سارا دن بازار میں کھڑے ہو کر شام تک ایک ڈالر میں بیچ دی۔ اگلے دن باپ نے پھر ایک خراب شرٹ دی اور کہا اسے دو ڈالر میں بیچو، اب بچے نے شرٹ سرف سے دھو کر اسے پہننے کے قابل بنا کر دو ڈالر میں بیچ دی۔ اگلے دن والد نے پھر ویسی ہی شرٹ دی اور کہا بیٹا یہ آٹھ ڈالر میں بیچ کر دکھاؤ، بچے نے ہمت نا ہاری اور شرٹ دھو کر اس پر پینٹ کر کے بیچ دی آٹھ ڈالر میں۔ چار دن بعد والد نے پھر کہا یہ آخری شرٹ سو ڈالر میں بیچ کے دکھاؤ، آج بچہ پریشان تھا کہ کیسے سو ڈالر کمائے۔ بازار کے قریب ہی ایک فلم کی پروموشن کے لیے چند اداکار آئے تھے بچے نے نہایت ہوشیاری سے ایک اداکارہ سے اس شرٹ پر دستخط لیے۔ جب گھر لوٹا تو والد سے کہا بابا میں وہ شرٹ دو سو ڈالر میں بیچ آیا۔ آج اس کا باپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ اس نے بچے کو سکھا دیا تھا کہ بہادر لوگوں کے لیے ''نہیں'' لفظ نہیں بنا۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

چلتے چلتے

جمع کرنے کے عمل کو اجتماعی طور پر برا تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ تقسیم کرنے کا عمل پسندیدہ عمل ہے۔ تقسیم کا عمل تصوف اور صوفی ازم کا پسندیدہ ترین عمل ہے، جو انتہائی کم دیکھنے میں آتا ہے، دنیا گواہ ہے جو تقسیم کرتا ہے وہ آسودہ ہے اور جو جمع کرتا ہے تباہ و پریشان حال ہے۔ لہٰذا جمع نہ کریں بانٹیے، چاہے وہ خوشی ہو، دولت کا کچھ حصہ، سکون ہو یا کوئی از حد پیاری چیز تقسیم کریں نہ کہ جمع کریں۔

بعض انسان کتنے سیاہ بخت ہوتے ہیں کہ انہیں ایسا کندھا بھی میسر نہیں ہوتا جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکیں۔

میری آرزو اور کوشش یہ ہے کہ ہر کوئی میری وجہ سے ہنسے نہ کہ کوئی مجھ پر ہنسے۔

انصریات

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر

سمجھنے کی بات

محبت تو ایک بار ہوتی ہے اور جو بار بار ہو وہ محبت نہیں ٹائم پاس ہوتی ہے ایگری کرتے ہیں۔

عشرت ثمرہ...... کوٹلی گجرات

دلکش

مانا کہ
ہماری ہنسی
دلکش
ہے
بہت......
پر سنو جاناں
اس ہنسی
میں تیرے
دیئے ہوئے
درد دکھ
جھلک بھی
دکھائی
دیتی ہے

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

چار صوبے

پاکستان کے صوبے ہیں چار
مل کر دہراتے ہیں یار
آبادی میں بڑا صوبہ پنجاب
پانچ دریا اسے کریں سیراب

ماتھے کے جھومر کی مانند

یہ ہے ہمارا پیارا سندھ
رقبے میں سب سے اونچی شان
یہ ہے نرم گرم بلوچستان
پہاڑوں کی چلے ٹھنڈی ہوا
آؤ گھومیں خیبرپختونخوا
تمام صوبے ہمیں دل سے پیارے
جیسے آسماں پہ چمکیں ستارے

شاہ بہرام انصاری..... ملتان

ہری مرچیں

☆ایک لڑکا اپنے دوست کے گھر گیا دوست نے اسے چائے پلائی تو لڑکے نے کہا۔ چائے تو بڑی مزیدار ہے۔

دوست نے جواب دیا اگر بلی دودھ کے برتن میں منہ مار کر ساری بالائی نہ کھاتی تو چائے اور بھی مزیدار بنتی۔

☆استاد: بتاؤ کسی کی مالی مدد کرنا اور محنت میں کیا فرق ہے؟

رانا متین: سر جی! کسی کو قرض دینا اس کی مالی مدد کرنا ہے اور وہ قرض واپس لینے کے لیے ہم جو دھکے کھاتے ہیں وہ محنت ہے۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

کتبہ

کیا قبروں پر کتبے لگانے ضروری ہوتے ہیں جن لوگوں کی پہچان ہمیں زندگی میں نہیں ہوتی تو مرنے کے بعد ان قبروں کو نشانیاں دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ ہم نے قبروں کو ڈھونڈ کر انہیں ایسی کون سی خوشی دینی ہوتی ہے جو ان کے ساری زندگی کے دکھ کا مداوا کر سکے۔ تمہیں نہیں لگتا ہمیں کتبوں کو قبروں پر لگانے کی بجائے زندہ انسانوں پر نصب کرنا چاہیے تا کہ ان کی پہچان زندگی میں ہو سکے۔ پھر شاید انہیں قبروں تک جانے کی جلدی نہ ہو۔

مصباح مشتاق..... پتھر کردہ آنکھ

جدائی

جانتے ہو آم دنیا کا میٹھا ترین پھل ہے مگر آم کی ڈنڈی والی جگہ انتہائی کڑوی ہے جانتے ہو کیوں کیونکہ ڈنڈی والی جگہ سے آم کو درخت سے جدا کیا جاتا ہے۔ ہاں جدائی ایسی ہی کڑوی ہوتی ہے۔

عبیرہ یاسمین کنول تارڑ..... منڈی بہاؤالدین

دل

اے دل.....!
تم تو مجبور ہو
آ گئے کسی کے
کبھی بھی فریاد نہ کرنا
گر.....
ستائے اپنے صنم کی یاد تجھے
تو بھول کر بھی اسے
اے انجم انجم
کبھی یاد نہ کرنا
اے دل.....!!

انجم انجم اعوان..... کراچی

قیمتی تحفے

سورہ یسین :۔
☆سورہ یسین فجر کے بعد پڑھنے سے ہر خواہش پوری ہوتی ہے۔
سورہ واقعہ :۔
☆مغرب کے بعد پڑھنے سے کبھی فاقہ نہیں ہوتا۔
سورہ کوثر :۔
☆دشمنوں کی دشمنی سے بچاتی ہے۔
سورہ الکفرون :۔
☆موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے۔
سورہ الفلق :۔
☆حادثوں سے بچاتی ہے۔
سورہ الناس :۔
☆وسوسوں سے بچاتی ہے۔

بختاور فضل......لیہ

پاگل لڑکی

بڑی خوش خوش وہ رہتی تھی
آنکھوں میں دیپ جلا کرتے تھے
پھولوں جیسی نازک وہ لڑکی تھی
کلی سے بھی نرم وملائم اس کا دل تھا
ہائے محبت جب ہوگئی اس پاگل کو
دل اس کا بھی گھائل ہو بیٹھا
روگ اس کو بھی پرانا لگا
ہیر، سسی، جیسا دل اس کا بھی ٹوٹ گیا
پھر لوگو مقدر اس کا بھی روٹھ گیا
پھر لوگوں اب اسے جو بھی کوئی دیکھتا ہے
پاگل لڑکی اسے کہتا ہے.....

ناز بلوچ......حیدرآباد

ایک حقیقت

ہمارا المیہ ہے کہ جب کوئی غیر معمولی واقعہ یا حادثہ پیش آتا ہے تو ہم میلوں دور بیٹھے ہوئے حقیقت جانے بغیر فیصلے صادر کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ فلاں کا قصور تھا، فلاں کو ایسا کرنا چاہیے تھا، اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ فلاں ایسا ہے، فلاں ویسا ہے، الزام تراشی کا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ جب بھی کوئی حادثہ واقع ہوتا ہے یا جرم کا ارتکاب ہوتا ہے تو اس میں کئی عوامل اور کئی سال کے اعمال کارفرما ہوتے ہیں، ہمارے چھوٹے چھوٹے بظاہر بے ضرر سے اعمال، چھوٹے چھوٹے بظاہر چند الفاظ کراماً کاتبین کے رجسٹروں میں جب سالہا سال جمع ہوتے ہیں تو وہ ایک غبار بن جاتے ہیں۔ ایک وبال بن جاتے ہیں، ایک فرد کا جرم فرد واحد کا جرم نہیں ہوتا۔ اس جرم میں فرد کی تربیت کرنے والے افراد اس کے استاد اس کے آس پاس کے ادارے اس کا ماحول معاشی حالات، معاشرتی نظام، سب برابر کی شریک ہوتے ہیں۔ ایک جرم صرف ایک عمل نہیں ہوتا، ہزاروں اعمال اور الفاظ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فیصلے صادر کرنا اتنا آسان ہوتا ہے تو عدل اتنا مشکل نہ ہوتا، جو آپ نہیں جانتے اس کے بارے میں بات نہ کریں، کوئی ایسا عمل، کچھ ایسے الفاظ جو سالہا سال کی گردش ایام میں جمع ہو کر کسی کے سر کا سائبان بن جائیں، کسی کو تباہی کے گڑھے سے واپس لے آئیں، کسی دکھیا کا سہارا بن جائیں، کسی بنتے مجرم کی کایا پلٹ دیں، کسی کی سوچ کا دھارا بدل دیں۔

عظمیٰ بٹ......سمندری

کبھی جو تم

☆ کبھی جو تمہارے ہاتھ سے کتاب گرے تو سمجھ لینا کہ کسی نے تمہیں یاد کیا ہے۔
☆ کبھی جو تم اس میں رکھے پھول کو دیکھو تو سمجھ لینا کوئی داستان لکھ رہا ہے ان گزرے ہوئے حسین لمحوں کی۔
☆ کبھی جو تم درختوں پر نام لکھا دیکھو تو سمجھ لینا کوئی اب تک چاہتا ہے تمہیں۔
☆ کبھی جو ان دیکھے بھالے رستوں پر سفر کرو تو سمجھ لینا کسی نے ان پر ساتھ چلنے کی قسم کھائی ہے۔
☆ اور کبھی جو تم لوٹنے کا ارادہ کرو اور سفر کرو اسی راہ گزر پر تو سمجھ لینا کہ کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

حمیرا ملک......میانوالی

سنہری حروف

❁ ماضی کو کھوجتے رہنے سے بہتر ہے کہ مستقبل کی منصوبہ بندی کرو۔
❁ دوست ایک ایسا تحفہ ہے جو تم خود کو دیتے ہو۔
❁ غموں سے مت گھبراؤ کیونکہ یہی غم تمہیں جینا سکھاتے ہیں۔
❁ دوسروں کو اپنی کمزوری بتاؤ، نہ بناؤ۔
❁ زیادہ سوچنے سے بہتر ہے کہ عمل کرو۔
❁ زندگی میں اتنی محنت کرو کہ تمہاری تقدیر بھی تمہاری سوچ کی پیروی کرے۔
❁ جہاں بھی جاؤ اپنی خوشیاں چھوڑ آؤ تاکہ لوگ تمہیں ہمیشہ یاد رکھیں۔
❁ ہم خیال لوگ ہم سفر ہو جائیں تو منزل آسان

ہوجاتی ہیں۔

(فرزانہ شوکت)

سنہرے حروف

🏵ہارتے وہی ہیں جو ہارنے سے ڈرتے ہیں اور جیتتے وہی ہیں جن کو اپنی جیت کا یقین ہوتا ہے، یقین لہجے سے جھلکتا ہے کردار میں نظر آتا ہے۔

🏵اندھیرے کو روشنی میں بدلنے کے لیے روشنی کی ایک ننھی سی کرن کافی ہوتی ہے اور ہوسکتا ہے وہ کرن آپ ہوں۔

🏵ایک چیز وہ ہے جو تم چاہتے ہو، ایک چیز وہ ہے جو تمہارا رب چاہتا ہے، اگر تم وہ چاہتے ہو جو تمہارا رب چاہتا ہے تو تمہارا رب تم کو وہ دے گا جو تم چاہتے ہیں اس پر عمل کریں گے تو بہت ہی کامیاب زندگی گزاریں گے۔

🏵خیال رکھیے گا ہمیشہ ان لوگوں کا جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہار دیا ہے اور شکر ادا کریں اس ذاتِ پاک (خدا) کا جس نے آپ کے لیے آپ سے بڑھ کر سوچا اور آپ کو بہت کچھ دیا۔

🏵بعض اوقات انسان کی زندگی میں غم بڑھ جائیں تو اس کے قہقہوں میں شدت آجاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

🏵محبت اعتماد کی پہلی سیڑھی ہے۔

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

مہکتے الفاظ

بُری عادت کی طاقت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اسے چھوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کچھ الفاظ دل چیر دیتے ہیں زبان وہ سب کچھ کر دیتی ہے جو تیر نہیں کرتے۔

یہ صرف اوروں کی آنکھوں کی بدولت ہے کہ ہم اپنے عیب دیکھ سکتے ہیں۔

سب سے بدتر دشمن ہمارے ہم نشین ہیں۔

خود کو بدل دو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔

خوب صورتی بدن سے نہیں اچھے اخلاق سے ہوتی ہے۔

تکلیف کو خاک پر، مہربانیوں کو سنگ مرمر پر لکھو۔

کرن حیدر...... اسٹریا

خوب صورت الفاظ

کعبہ پر غلاف اس لیے ہے کہ پتا چلے یہ کوئی عام چیز نہیں، یہ مسلمانوں کا "قبلہ" ہے۔

قرآن پر غلاف اس لیے ہیں کہ پتا چلے یہ کوئی عام کتاب نہیں۔ اللہ کی کتاب ہے۔

مزار پر چادر اس لیے ہیں کہ پتا چلے کہ کوئی عام قبر نہیں، اللہ کے ولیوں کی قبر ہے۔

اس لیے عورت کو پردے کا حکم ہے تا کہ پتا چلے کہ کوئی عام عورت نہیں مسلمان عورت ہے۔

مصباح نورین...... کالا گجراں جہلم

سنہری حروف

☆طلب علم میں شرم مناسب نہیں کیونکہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔ (افلاطون)

☆زندگی دو باتیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

(۱) ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا۔

(۲) جس کی خواہش نہ ہو اس کا ملنا (برنارڈ شاہ)

☆جب لوگ میری ہاں میں ہاں ملا رہے ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ ضرور مجھ سے غلطی ہوئی ہے (آسکر وائلڈ)

☆اگر تیرا دل کوہ آتش فشاں ہے تو پھر کیوں توقع رکھتا ہے کہ وہ پھولوں کو تیرے ہاتھ میں تروتازہ رہنے دے گا۔ (خلیل جبران)

☆وکیل ایک ایسا شخص ہے جو آپ کی جائیداد آپ کے دشمنوں سے بچا کر خود اپنے لیے رکھ لیتا ہے۔ (لارڈ بارنم)

عائزہ شہزادی...... جڑانوالہ

aayna@naeyufaq.com

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ابھی کرونا وائرس کا خاتمہ ٹھیک سے نہیں ہو پایا تھا کہ اب سیلابی کی تباہ کاریوں کے باعث ڈینگی اور ملیریہ نے سر اٹھا رکھا ہے اس وبا کے باعث کی قیمتی جانیں بھی ضائع ہوچکی ہے۔ آپ سب بھی احتیاط کریں اور اس وبا سے خود کو محفوظ رکھیں، اب بڑھتے ہیں آپ کی محفل کی جانب۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور۔ السلام علیکم! امید ہے کہ آنچل کی تمام قارئین خیرت سے ہوں گی۔ سب کو میرا محبت بھرا سلام۔ آنچل اب بہت انتظار کروانے لگا ہے بھائی کو کئی بار بک اسٹال پر بھیج کر معلوم کرواتی ہوں تو جواب ملتا ہے کہ ابھی ڈائجسٹ آیا نہیں ہے۔ پلیز آپ بتادیں کہ آنچل مارکیٹ میں کس تاریخ کو آجاتا ہے پرچا تاخیر سے ملنے کی وجہ سے میں خط نہیں لکھ پاتی ہوں اور اگر لکھتی بھی ہوں تو خط بہت مختصر ہوتا ہے وقت کی کمی کے باعث اکثر تمام کہانیوں پر تبصرہ بھی نہیں کرپاتی ہوں۔ چلیں اب آتے ہیں کہانیوں کے تبصروں کی جانب ”مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے“ راحت وفا کہانی کے ساتھ پورا پورا انصاف کررہی ہیں کہانی بہت اچھے انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ ”وش“، مکمل ناول ام طیفور آپ کا ناول پڑھا پسند آیا اتنا اچھا ناول لکھنے پر میری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ ”لوگ کیا کہیں گے“ رابعہ افتخار شیخ بھئی آپ نے اس بار بڑے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے کہانی پڑھ کر مزہ آ گیا بہت خوب۔ ”فیصلہ“ میں نزہت جبین ضیاء چھائی رہیں۔ ”دل کانچ کا گھر“ ام ایمان قاضی کی اس کہانی کو اگر آنچل کی جان کہا جائے تو درست ہوگا، واہ ام ایمان قاضی آپ نے تو کمال کردیا آپ کی کہانی کا ہر ماہ بے چینی سے انتظار رہتا ہے پھر خراماں خراماں آنچل کی ورق گردانی کرتے ہوئے ہم جا پہنچے سلمیٰ غزل کے ”کفارہ“ پر اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔ سلمیٰ غزل آنچل کی بہت پرانی لکھاری ہیں آپ کی تحریروں کے دم سے تو آنچل کی رونق ہے آپ جیسی لکھاری کی وجہ سے قارئین کو اتنی اچھی کہانیاں مل جاتی ہیں۔ آپ میری دعاؤں میں ہمیشہ شامل رہتی ہیں۔ حنا بشریٰ نے تو اس بار اپنے قلم کی سیاہی سے آنچل کی مٹی گیلی کردی، ارے بھئی میں ان کی کہانی ”گیلی مٹی“ کی بات کررہی ہوں، کہانی اچھی تھی بہت پسند آئی۔ آپ اچھا لکھتی ہیں قلم آپ کے حکم کا غلام رہتا ہے، آنچل میں لکھتی رہا کریں۔ رفاقت جاوید ”حضرت ابوبکر صدیقؓ“ ابھی میں نے پڑھا نہیں ہے آنچل اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیے ہیں جن میں آپ کی تحریر شائع ہوئی ہے اسے سکون سے پڑھوں گی سب اقساط ایک ساتھ پھر زندگی رہی تو ان شاء اللہ تبصرہ کروں گی۔ اب آتے ہیں آنچل کے مستقل سلسلوں کی جانب جو میں سب سے آخر میں پڑھتی ہوں۔ ”بیاض دل“ سب بہنوں نے معیاری اشعار کا انتخاب کیا۔ میمونہ رومان ”بیاض دل“ کو بہت خوبی کے ساتھ سنوار رہی ہیں ان کی محنت رنگ لارہی ہے۔ ”ڈش مقابلہ“ میں تمام کھانوں کی ترکیبیں اچھی ہوتی ہیں پڑھ کر ہی منہ میں پانی آجاتا ہے خاص طور پر اس وقت جب بھوک اپنے عروج پر ہو اور پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوں۔ طلعت آغاز موقع اور موسم کی

مناسب سے ڈشوں کا انتخاب کرتی ہیں۔ ”نیرنگ خیال“ ایمان وقار ہر ماہ بڑی محنت اور لگن سے آنچل کے قارئین کے لیے معیاری اشعار کا انتخاب کرتی ہیں اس بار بھی سب بہنوں کا انتخاب خوب تھا غزلیں، نظمیں سب پسند آئیں۔ ”یادگار لمحے“ جویریہ سالک اسے سنوارے سجانے میں آپ کی دل چسپی قابل تعریف ہے اس سلسلے میں آپ کا انتخاب خوب سے خوب تر ہوتا ہے اتنی اچھی کاوش پر میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں امید ہے ہمیں ہر ماہ اسی طرح اچھی تحریریں پڑھنے کو ملتی رہیں گی۔ ”آئینہ“ شہلا عامر اسے ہر ماہ آنچل میں شائع ہونے والی کہانیوں پر قارئین کے تعریفی اور تنقیدی تبصروں سے سنوارتی ہیں۔ شمائلہ کاشف بھی آنچل کے مستقل سلسلوں کی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتیں اور قارئین کو ”ہم سے پوچھیے“ میں سوالات کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور قارئین بھی ان کی فرمائش کو فراموش نہیں کرتے اور ہر ماہ نت نئے اور اچھوتے سوالات لے کر آتے ہیں جن کے جوابات وہ بڑی دانش مندی اور حاضر جوابی سے دیتی ہیں۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر ملیں گے، اللہ حافظ۔

☆ پیاری رضوانہ وقاص! خوش رہو، پیاری دو ماہ سے آپ کا آنچل بارش وسیلاب کی وجہ سے تاخیر کا شکار ہو رہا تھا ان شاء اللہ شمارہ نومبر سے کوشش ہوگی کہ اپنے وقت پر آپ کو مل پائے، انداز تحریر پسند آیا امید ہے کہ آئینہ کی محفل میں اسی طرح تعریفی اور تنقیدی تبصرہ کے ساتھ حاضر ہوتی رہا کرو گی۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔

شاہ بہرام انصاری...... ملتان۔ السلام علیکم! ہمیں تو لگ رہا تھا کہ اس بار شمارہ یکم سے قبل ہی مل جائے گا مگر اس کے برعکس پرچہ چار تاریخ کو موصول ہوا۔ شاید کراچی اور دیگر اضلاع میں ہونے والی بارشیں اس کا سبب ہوں بہرحال جو بھی ہو آج کل تو کاغذ ہی اتنا کم یاب بنا ہوا ہے کہ بعض جرائد لیٹ چھپ رہے ہیں تو ہم تو ان کی اشاعت ہی دل سے دعا کر رہے ہوتے ہیں کہ کہیں کسی کی غیر حاضری نہ ہو جائے۔ بھئی ہمیں تو ”آنچل ڈائجسٹ“ سے اس قدر انسیت ہے کہ ہمیں اس کے اشتہارات کم ہونے پر بھی بہت دکھ ہوتا ہے ظاہر ہے پرچے میں اشتہار جس قدر شائع ہوں گے، ایک رسالہ اتنا ہی زیادہ نفع حاصل کرے گا تو ہماری دعا ہے کہ مستقبل میں آنچل زیادہ سے زیادہ مشتہرین کو اپنی جانب متوجہ کرے جیسے ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب ”حمد اور نعت“ (خواجہ ثقلین اور شبیر حسین شبیر) ہمیشہ کی طرح ادارے کے فوراً بعد زیر مطالعہ آئیں۔ ”دل کا نچ کا گھر“ سے محظوظ ہوئے۔ ام ایمان قاضی آپی کے لیے تعریف۔ ام طیفور کا ”ڈنش“ مکمل ناول بھی شمارے کی جان اور پہچان رہا اور پڑھ کر لطف اندوز ہوئے۔ ”مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے“ راحت وفا اپنی خوب صورت تحریر کے ذریعے قارئین سے خود کو تسلیم کروانے کے لیے کوشاں ہیں اور اس میں کس قدر کامیاب بھی رہی ہیں کیوں کہ ان کا شمار ان لکھاریوں میں ہوتا ہے جن کی تحریروں کا قارئین کو بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ ”حضرت ابوبکر صدیقؓ“ رفاقت جاوید کی اسلامی معلومات سے بھرپور تحریر ہے جو ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہے۔ سملیٰ غزل آنچل قارئین کے لیے اپنی خوب صورت تحریر ”کفارہ“ کے ساتھ حاضر ہوئیں اور بڑی کامیابی سے قارئین کو اپنی موجودگی کا احساس دلا گئیں کہ ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ رابعہ افتخار شیخ اس فکر میں مبتلا رہیں کہ ”لوگ کیا کہیں گے“ ان کا یہ انداز تحریر پسند آیا آئندہ بھی ان کی تحریر کا انتظار رہے گا۔ نزہت جبین ضیاء نے آنچل قارئین کو اس بار اپنے دوٹوک ”فیصلہ“ سے آگاہ کر دیا۔ حنا بشریٰ یہ کیا بھئی آپ نے تو ساری ”گیلی مٹی“ کر دی اب اس گیلی مٹی کو خشک نہیں ہونے دیجیے گا اور اپنے قلم کی سیاہی کے ذریعے آنچل کی مٹی کو گیلی کرتی رہیے گا۔ مستقل سلسلوں میں ”بیاض دل، ڈش مقابلہ، نیرنگ خیال، ہم سے پوچھیے، دوست کا پیغام آئے، یادگار لمحے اور آئینہ“ سب ہی اچھے رہے۔ سب قارئین دعا کریں کہ بارشوں اور

سیلاب سے متاثر لوگوں کے حال پر رب تعالیٰ رحم فرمائے اور صاحب ثروت افراد کو ان کی مدد کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔ اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

☆ بھائی شاہ بہرام انصاری! آنچل سے اس قدر دلی لگاؤ کا بہت شکریہ کہانیوں پر آپ کا بھرپور تبصرہ اپنی مضبوط گرفت لیے ہوئے تھا۔ بارشوں اور سیلاب سے متاثرہ افراد کی دوبارہ بحالی کے لیے ہم بھی آپ کے ساتھ دعا میں شریک ہیں۔ اللہ سب کی مشکل آسان کرے آمین۔

رابعہ احمد بھٹی...... کوٹشا کر جھنگ ۔السلام علیکم! کیسی ہیں پیاری شہلا عامر جی۔ جی جی آپی ویلکم کریں پورے دو سال بعد آئی ہوں کیسے گزرے دن جی ہمارے بغیر؟ ڈائجسٹ بہت لیٹ آ رہا ہے دوسرا ہمارا ڈاک خانہ ماچھیوال چلا گیا ہے تب ہی رجسٹری نہیں کروا سکتے۔ تبصرہ چھوٹا سا لکھ رہی ہوں کیونکہ صرف مستقل سلسلے ہی پڑھنے ہیں۔ زبردست جا رہے ہیں سارے سلسلے اللہ دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آنچل جانو کو۔ آپی جانی میرا پیارا سا بیٹا اور بھانجہ جو کہ پورے پانچ سال بعد آیا ہے اس دنیا میں ان کو وش کر دیں کیونکہ گیارہ اکتوبر کو میرے بیٹے شجاعت عرف چاند اور محمد عبدالوسیع کی پندرہ اکتوبر کو برتھ ڈے آ رہی ہے کوئی غلطی ہو تو معاف کرنا بہت یاد رکھیے گا دعاؤں میں اللہ نگہبان۔

☆ پیاری رابعہ! سب خیر تو ہے ناں آخر اتنی تاخیر کیوں؟ اب آ ہی گئی ہو تو آتی جاتی رہنا۔ آئینہ کی محفل کا دروازہ کھلا رہے گا تمہارے لیے اور دونوں بچوں کو سالگرہ کی بہت مبارک باد، آپ خط نہیں لکھ سکتی تو ای میل کر دیا کریں۔

نمرہ شاہین...... کلر سیداں، راولپنڈی ۔السلام علیکم! شہلا جی اور پیارے پیارے قارئین کو میرا بہت بہت سلام اور پیار۔ پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں۔ آنچل اور حجاب بہت اچھے رسالے ہیں ہمیں ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ''سرورق'' ماڈل جی بڑے پیار سے دیکھتی ہوئی دل کو جا لگی۔ آگے سعیدہ آنی کی ''سرگوشیاں'' پڑھیں اور اچھا لگا۔ ''حمد و نعت'' سے دل کو معطر کیا۔ ''دانش کدہ'' میں سورۃ القدر کے بارے میں معلومات حاصل کیں مشتاق احمد جی کو اللہ جزائے خیر دے آمین۔ اب آتے ہیں ''سلسلہ وار ناول'' کی طرف موسٹ فیورٹ ناول مجھ کو ''تسلیم کیوں نہیں کرتے'' راحت وفا آنی دل کرتا ہے مجھے میں آپ کے دل چوم لوں (ہاہاہا اگر برا نہ مانیں تو) ظہیر ہمایوں بہت بدنصیب ہیں جو اپنے لیے محبتوں کے خسارے ایک ایک کر کے اکٹھے کر رہے ہیں۔ پہلے چاہت اور بہار کی محبت کے دشمن بن گئے۔ مریم کی منگنی ہوئی اور نشید کا پتھر دل نہ پگھل سکا اس تحریر میں ہر کوئی اپنی محبت حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ ''ونش'' مکمل ناول ام طیفور اچھا تھا ویل ڈن جی۔ ''فیصلہ'' افسانہ، نزہت جبین ضیاء تحریر سے لگتا ہے کہ پہلے پڑھا ہوا ہے۔ ''گیلی مٹی'' حنا بشریٰ آنی کا انداز بیاں مختلف تھا۔ افسانے سارے ہی عمدہ تھے ایک سے بڑھ کر ایک۔ ''بیاض دل'' میں سب ہی اشعار قابل تحسین تھے۔ ''ڈش مقابلہ'' میں تمام ترکیبیں مزے دار تھیں۔ ''ہم سے پوچھئے، دوست کا پیغام، یادگار لمحے، نیرنگ خیال'' تمام سلسلے جان دار تھے۔ ''آئینہ'' کی محفل میں سارے خطوط دلچسپ تھے۔ ڈھیر ساری باتیں ان شاء اللہ اگلے ماہ کے لیے۔ شہلا جی آپ میرا خط شائع کیجئے گا ورنہ...... میں پھر خط لکھنے کی جسارت کر لوں گی (ہاہاہا)۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ، فی امان اللہ۔

☆ پیاری نمرہ! پہلی بار آمد پر خوش آمدید خط لکھنے کی جسارت کرتی رہو ہم تمہیں کبھی مایوس نہیں کریں گے بشرطیکہ ہمیں تمہاری ڈاک بروقت موصول ہوتی رہی۔

بس خیل آفریدی...... گانگو جمعہ ٹیکسلا، راولپنڈی ۔پیاری مدیرہ سعیدہ آپی السلام

علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ میں آٹھ سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں۔ یہی نہیں میری ٹیچر بھی آنچل پڑھتی ہیں۔ میں ''آئینہ'' کی محفل میں پہلی بار شریک ہورہی ہوں۔ میرا تعلق پٹھان فیملی سے ہے۔ میرے گھر والے لڑکیوں کے تعلیم حاصل کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے گھر والوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ یہ رسالے، کتابیں اور ڈائجسٹ لڑکیوں کو بگاڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے میرا کچھ عرصے کے لیے آنچل سے رشتہ ٹوٹ گیا مگر میرا تعلیمی ریکارڈ دیکھ کر میری ٹیچر نے میری حوصلہ افزائی کی اور دوبارہ میرا رشتہ آنچل سے جڑ گیا۔ آنچل نہ تو میری تعلیم پر اثر انداز ہوا اور نہ ہی میری تربیت پر بلکہ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ میری تربیت میں سارا ہاتھ آنچل کا ہی ہے۔ آنچل سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ آنچل کی کہانیاں ہماری رائٹرز اتنی محنت سے لکھتی ہیں کہ زندگی کے ہر مشکل دور میں ایک ساتھی کی کمی دور ہوجاتی ہے۔ مجھے آنچل کے سلسلوں میں ''سرگوشیاں، حمد ونعت، در جواب آں، دانش کدہ اور آئینہ'' بہت پسند ہیں۔ میری بہت خواہش ہے کہ میں آنچل کے ہر سلسلے میں شرکت کروں مگر میں اپنی گھریلوں ذمہ داریوں کے باعث ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ ہمارا وطن سلامت رہے اور آنچل کا ساتھ ہمارے ساتھ جڑا رہے اور آنچل کامیابی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے رہے آمین۔ آنچل کی تمام ٹیم کو ڈھیر ساری دعائیں، والسلام۔

☆ پیاری! پہلی بار آئینہ کی محفل میں تمہاری آمد نے محفل کی رونق میں چار چاند لگا دیے اور ہم خوش آمدید بھی کہتے ہیں۔ ہمیں یہ پڑھ کے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ آنچل نے آپ کی زندگی سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آئندہ بھی اپنی حاضری کو یقینی بنائے رکھنا تفصیلی تبصرے کے ساتھ اللہ تمہارے لیے آسانی کا معاملہ کرے آمین۔

طیبہ یاسمین...... جھنگ۔ السلام علیکم! پیاری شہلا آپی اور قارئین۔ امید کرتی ہوں کہ سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ پہلی بار خط لکھ رہی ہوں، امید ہے کہ آپ ویلکم کہیں گی اور خط شائع بھی ضرور ہوگا ان شاء اللہ۔ آنچل کی اس وقت سے قاری ہوں جب ابھی یہ بھی نہیں پتا چلتا تھا کہ کہانیوں میں ہوتا کیا ہے۔ بس کزنز پڑھتی تھیں تو میں بھی ان سے چھپا کر پڑھ لیا کرتی تھی کیوں کہ امی ڈانٹتی تھیں کہ ابھی تمہاری یہ پڑھنے کی عمر نہیں ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ سلسلہ بڑھتا گیا اور میرا آنچل میری زندگی سنوار گیا لیکن دو سال ایسے بھی آئے کہ میں پڑھنا چھوڑ دیا لیکن اگر کہیں بھی اس پر نظر پڑ جاتی تو دل اُمڈتا تھا لیکن پھر بھی وہ تعلق، وہ رشتہ ویسے کا ویسا ہی رہا اب پھر باقاعدہ قاری بن گئی ہوں کیوں کہ مجھے پتا چل گیا ہے کہ میرا آنچل میری دنیا ہے اگر آنچل سے اپنی جذباتی وابستگی لکھنے بیٹھوں تو شاید آنچل کے تمام صفحات بھی کم پڑ جائیں اور شہلا آپی کا ضبط جواب دینے لگے اس لیے الحمدللہ فی الحال تعلیم سے فراغت کی وجہ سے اب ان شاء اللہ شرکت کرتی رہوں گی۔ اگر شہلا آپی تھوڑی سی جگہ دے دیں تو میں آنچل میں شرکت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر اجازت ہوتو...... تبصرہ ان شاء اللہ آئندہ ماہ۔ ابھی کے لیے اتنا کافی ہے۔ شہلا آپی کے جواب کی منتظر اور تمام بہنوں کو دوستی کی درخواست۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

☆ پیاری طیبہ! آئینہ کی محفل میں خوش آمدید ارے نہیں بھئی تم جیسی قاری کے لیے میرا ضبط ہمیشہ قائم رہتا ہے کیوں کہ تمہارے دم سے تو آنچل کی رونق قائم ودائم ہے۔ تمہاری دوبارہ آمد کا انتظار رہے گا۔ اب وعدے کے مطابق بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہونا۔

نجمہ جبار...... بھاول پور۔ آنچل کی سب پڑھنے والی بہنوں اور شہلا کو سلام۔ کیسے ہیں آپ سب۔ پہلی بار آئیں ہوں آپ کی محفل میں۔ آنچل ڈائجسٹ میرے سامنے رکھا ہے اور پڑھ لیا ہے۔ سرورق بہت اچھا ہے سجا سنورا سا۔ ''سرگوشیاں'' میں مدیرہ کی باتیں کاغذ پر تھیں اور جو حالات ہیں ادارے کی ہی ہمت ہے جو رسالے

آنچل وحجاب کوعوام تک اچھے سے پہنچارہے ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیلاب کی وجہ سے تمام ڈائجسٹ تاخیر سے موصول ہوئے مگر سب سے پہلے آنچل وحجاب ملے تو ماشاء اللہ ادارے کی سروس بہت اچھی ہے اور مدیرہ کی ''در جواب آں'' میں سب سے باتیں کرنا اچھا لگا۔ یہ صحابہ کرام والا سلسلہ بہت اچھا شروع ہوا ہے۔ بہت معلوماتی ہے اور بہت سی باتیں تو مجھے اسی سلسلے سے پتا چلیں۔ ''ہمارا آنچل'' میں کوئی نجمہ جبار تھیں اب آپ ہی بتائیں آپ کو ان کی باتیں کیسی لگیں آہم۔ام طیفور کا ناول ''ونش'' تو سب سے اچھا رہا مگر بہت دکھی بھی کیا اس ناول نے خاص کر وہ آگ اور کنویں والا سین بہت ہی دردناک تھا۔ تحریر آزادی پر تھی اور کتنی بے شمار قربانیاں دیں گئیں پھر یہ ملک ملا کاش ہم سہی معنوں میں اپنے وطن کی قدر کریں۔ رابعہ کا افسانہ ''لوگ کیا کہیں گے'' بھی اچھا تھا واقعی اتنی مہنگائی ہوگئی ہے مگر کا فیصلہ بلکل سہی تھا اور ہم خواتین کے لیے تو اس تحریر میں بڑا سبق تھا۔ نزہت جبیں کافی دن بعد آئیں افسانے کے ساتھ بہت مختصر مگر موضوع بہتر تھا اب طویل تحریر بھی دیں نزہت۔ حنا بشریٰ کی تحریر سب سے زیادہ پسند آئی اور صابرہ اپنے نام کی ہی طرح تھی۔ کیوں مرد اپنی پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں عورت کو اور آخری زندگی کے ایام میں یا جب بھی عورت ہی معاف کردیتی ہے کیا بس یہ ہی عورت کا کام ہے۔ سلمیٰ غزل نے بھی اچھا افسانہ لکھا۔ نازیہ اس بار نہیں لکھ سکیں امید ہے اگلی بار شامل ہوگا ناول۔ ام ایمان کا یہ ناول بھی سابقہ ناولز کی طرح دلچسپ ہے ابھی تو کرداروں کا تعارف ہے امید ہے آگے جاکر بھی پسندیدگی کی سند حاصل کرے گا۔ راحت وفا کے ناول میں مجھے تمثال اور نشید کے نام بہت اچھے لگتے ہیں اور ظہیر صاحب زہر لگتے ہیں۔ اس ناول میں بھی موم کی محبت کی طرح راحت نے کرداروں کی خوبصورتی کو بہت بیان کیا اور یہ منظر نگاری راحت کا خاصا ہے۔ نظم وغزل والے سلسلے میں سمیرا کی نظم ہجر بہت اچھی تھی۔ رباب وسیم کی نظم رنگین چہرہ بہت منفرد تھی یہ بھی اچھی تھی۔ رخشی قیصرانی کی نظم شہرذات اور نجم انجم کی طویل غزل بہت پسند آئی۔ ہاں ان کے علاوہ باقی نے بھی اچھا لکھا۔ کھانے پکانے میں ساگ گوشت بہت منفرد تھیں یہ دلچسپی کی بناء پر ٹرائی ہوسکتی ہیں۔ پائین ایپل باولز بھی پہلی بار سنے ہاں مجھے یہ پھل بہت پسند ہے جب کہ بہت مہنگا بھی ہے۔ ''یادگار لمحے'' میں ماشاء اللہ بہت دلچسپ ورنگارنگین مرسلات تھے اور سب ہی اچھے تھے کسی ایک کی تعریف کرنا دوسروں کے ساتھ زیادتی ہوگی کہ سب سے ایک دوسرے سے الگ لکھا اور اچھا بھی۔ شمائلہ کے جوابات تو شروع سے ہی مشہور ہیں اور شمائلہ کے سامنے تو کوئی ٹک نہیں سکتا کہ سب کی بولتی یہ بند کرنے میں ماہر ہے ناں اے شمائلہ یہ سیاستدانوں کا منہ بھی بند کردو آہم آہم۔ ''دوست کا پیغام'' تو بہت دلچسپی لیے ہوتا ہے سب اتنی اپنائیت سے ایک دوسرے کو یاد رکھتی ہیں اور ''آئینہ'' میں تبصرے سہی تھے ہاں اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی اب پتا نہیں کیوں بس۔ چلیں پھر ملتے ہیں سدا اسلامت رہیں۔

☆ پیاری سدرہ! پہلی بار آمد پر خوش آمدید امید ہے اگلے ماہ بھرپور اور تفصیلی تبصرے کے ساتھ شرکت کروں گی۔

اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی پریشانیاں دور فرمائے اور وطن عزیز کو رہتی دنیا تک قائم رکھے، آمین۔

info@naeyufaq.com

شمائلہ کاشف

نجمہ جبار...... بہاول پور

س:۔ شادی کے دو دن بعد آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے" اور شادی کے دو سال بعد کیا گانا ہوگا؟

ج:۔ کیوں آئی تھیں بہار بن کر برباد کرنے کو۔

س:۔ تعلیم انسان کا زیور ہے مگر عورتیں کیسے پہنیں کہ یہ اب خاصا مہنگا ہے؟

ج:۔ نکمی ہی رہا سدا کی کبھی جو بغیر مار پڑے پڑھا جو ہو۔

س:۔ وہ مہینہ کب آئے گا جب آنچل کے سرورق پر نجمہ جبار جلوہ افروز ہوگی؟

ج:۔ اللہ کرے خواب میں بھی نا آئے۔

س:۔ پہلی بار شمائلہ آپا آپ کی محفل میں آئی ہوں کیا خالی ہاتھ واپس بھیجو گی؟

ج:۔ خالی ہاتھ آئی ہو تو خالی ہاتھ ہی جانا پڑے گا ناں۔

گل کشف نذیر احمد...... گنگا پور

س:۔ آپی میٹھے میٹھے مالٹوں کے ساتھ میری آمد کیسی لگی آپ کو یقیناً منہ میں پانی آ گیا ہوگا ہے ناں؟

ج:۔ آہستہ بولو اگر واٹر بورڈ والوں نے سن لیا تو ٹیکس لگا دیں گے۔

س:۔ پیاری آپو اماں حضور کا جوتا کسی ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اس سے کیسے بچا جائے پلیز کوئی حل بتا دیں؟

ج:۔ بہت ہی آسان حل ہے اماں حضور کے سارے جوتے برتن دینے والوں کو دے کر برتن لے لو۔

س:۔ آپو ہر ماں اپنی بیٹیوں کو ساس کی نظر سے ہی کیوں دیکھتی ہے؟

ج:۔ تم اگر تھوڑی ہمت کرو تو اس ریت کو ختم کر سکتی ہو۔

س:۔ آپو میری امی مجھے ہر وقت ڈانٹتی ہی کیوں رہتی ہیں؟ حالانکہ میں اتنی معصوم سی بھولی بھالی بچی ہوں بچی۔

ج:۔ اب تم بڑی ہوگئی ہو اس لیے وہ چاہتی ہیں کہ تم خوش فہمی کا شکار ہونا چھوڑ دو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س:۔ میں نے خواب دیکھا کہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کسی لڑکی کو شاپنگ کروا رہے ہیں۔ اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

ج:۔ تم سونا چھوڑ دو نہ تم سو گی اور نہ تمہیں ایسے خواب نظر آئیں گے۔

س:۔ شیطان کو بھگانے کے لیے لاحول پڑھی جاتی ہے۔ ناپسندیدہ مہمانوں کو بھگانے کے لیے کیا پڑھنا چاہیے؟

ج:۔ پہلے یہ بتاؤ تم اپنے کتنے رشتے داروں کی ناپسندیدہ مہمان ہو۔

س:۔ میرے میاں جانی مجھے گاڑی چلانا کیوں نہیں سکھاتے؟

ج:۔ کیوں کہ تمہارے میاں جانی بہت رحم دل ہیں وہ کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے۔

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

س:۔ پہلی بار انٹری ماری ہے آپ کی محفل میں جگہ مل جائے گی یا بنانی پڑے گی؟

ج:۔ تمہارے سائز کے حساب سے جگہ بنانے میں تھوڑا ٹائم لگے گا لیکن مل جائے گی۔

س:۔ آپی لوگ اپنی تعریف آپ کیوں کرتے ہیں؟

ج:۔ میاں مٹھو ہوتے ہیں اس لیے اب آپ میری تعریف کرو۔

عائشہ پرویز...... کراچی

س:۔ اف اتنی گرمی ہے اے سی تو آن کریں اور جلدی سے دوعدد گلاس لسی بھی پلادیں؟

ج:۔ اے سی آن ہے، اب یہ مت کہنا کہ رخ آپ کی طرف کردوں لسی خود بنا کر پی لو اور ہمیں بھی پلا دو۔

س:۔ آپی ہم سردیوں میں کالے اور گرمیوں میں گورے کیوں ہوجاتے ہیں؟

ج:۔ تو پھر آج سے آپ کا نام ہوا مس بلیک اینڈ وائٹ۔ کیسا لگا اچھا ناں۔

س:۔ آپی جانی مجھے رات میں گرمیوں میں روٹی پکانے میں بہت غصہ آتا ہے کیا آپ کو بھی آتا ہے۔

ج:۔ نہیں ہمیں تمہارے فضول سوالوں سے پکانے پر غصہ آتا ہے۔

س:۔ مچھر اور مکھی کا کیا رشتہ ہے دونوں گرمی میں آتے ہیں؟

ج:۔ بھئی یہ تو تم بتاؤ دونوں ہی تمہارے دور کے رشتہ دار ہیں۔

س:۔ آپی جانی میری بہن وشمہ کی سالگرہ پر کیا کہیں گی؟

ج:۔ وشمہ کو سالگرہ مبارک۔

س:۔ چٹ پٹے سوالوں کے جواب بھی املی لگا کر دیجیے گا اللہ حافظ؟

ج:۔ ایسے مطالبات اپنے میاں جی سے منوانا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

س:۔ نفرت کی ڈور کیا دانتوں سے کاٹی جاسکتی ہے؟

ج:۔ بالکل بس دانت کھٹے نہ ہوں۔

س:۔ دل چاہتا ہے بارش کے پانی میں کاغذ کی کشتیاں بنا بنا کر چھوڑوں؟

ج:۔ تو چھوڑ دو اور اس میں اپنے میاں جانی کو ضرور بٹھانا اور تصویر کھینچ کر ہمیں بھی بھیجو۔

س:۔ اگر شادیوں پہ جانے والی گاڑیوں کی ڈرائیور لڑکیاں ہوتی تو؟

ج:۔ ہر دلہن اپنی گاڑی خود چلاتی اور خود کو شادی سے بچالیتی۔

س:۔ ذرا سوچیں کہ اگر گھروں کا پہیے لگانا ممکن ہوتا تو کیا ہوتا؟

ج:۔ دوست کا گھر ساتھ ہوتا اور دشمن کا شہر سے باہر۔

س:۔ چنے دو قسم کے ہوتے ہیں پھر چنے کی دال ایک قسم کی کیوں؟

ج:۔ دونوں بھائیوں کو ایک بہن درکار تھی بس۔

س:۔ قدر کروانے کے لیے کیا مرنا لازمی ہوتا ہے؟

ج:۔ نہیں مارنا...... تجربہ ساس پر کر دیکھو۔

س:۔ سسرال کے دو "س" کا اب مطلب سمجھ آیا۔
س، ساس، س، سسر۔

ج:۔ اور س سے سر میں درد۔

س:۔ میرے ہزبینڈ مجھ سے زیادہ کیوٹ کیوں ہیں بھلا؟

ج:۔ او...... یہ بات ہضم نہیں ہوئی۔

س:۔ ہزبینڈ کے دل میں تاج محل بنانے کا کیا طریقہ ہے؟

ج:۔ صرف ساس کی تعریف کرو۔

س:۔ اچھا چلتی ہوں امید ہے اب زیادہ عرصہ دوری نہیں رہے گی؟

ج:۔ بالکل بس آتے ہوئے مٹھائی لانا نا بھولنا۔